سید عزیز الرحمٰن

اردو سیرت نگاری کا محاضراتی ادب

محاضرہ عربی میں لیکچر کو کہتے ہیں، یہ لفظ اردو میں خاصے عرصے سے مستعمل ہے، مگر اسے عوامی پذیرائی ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمہ اللہ کے سلسلہ محاضرات سے حاصل ہوئی۔ اردو سیرت نگاری میں خطابتی اسلوب بھی خاصے عرصے سے موجود ہے۔ خطابتی اسلوب میں ایک افادیت کا پہلو یہ پایا جاتا ہے کہ خطبے کو جب معمولی ترمیم کے بعد تحریری پیراہن عطا ہوتا ہے تو خطابت کی روانی اور جاذبیت تحریر کا حصہ بن جاتی ہے، یوں محاضرات اور خطبات پر مشتمل تحریریں عام کتب سے زیادہ دل چسپی سے پڑھی جاتی ہیں۔ سیرت میں خطابتی اسلوب کی حامل کتب کی اشاعت اور ان کی مقبولیت اس کی شاہد ہیں۔ اہم ترین بات یہ ہے کہ سیرت طیبہ کا خطابتی اور محاضراتی پہلو اور اس حوالے سے موجود کتب بھی اردو سیرت نگاری کا اختصاص اور امتیاز شمار کی جاسکتی ہیں کہ اردو کے علاوہ خاص فن سیرت میں محاضراتی ادب ایک روایت کے طور پر نظر نہیں آتا۔

اس مضمون میں ہم اس اسلوب کا تفصیل سے مطالعہ پیش کریں گے، اس کے مقاصد پر غور کریں گے اور دیکھیں گے کہ اس اسلوب نے اردو سیرت نگاری کو کس قدر ثروت مند کیا ہے۔ نیز یہ کہ اس اسکوب کا آغاز کیسے ہوا، محاضراتی ادب کی اردو سیرت میں کیسے طرح پڑی، اور کن کن اساطین علم نے اس حوالے سے خدمات انجام دی ہیں۔ اس ضمن میں ہم سیرت نگار شخصیات کو بنیاد بنا کر اپنی معروضات پیش کریں گے، اور اس تاریخ محاضرات سیرت کو تاریخی ترتیب سے پیش کریں گے۔

سید سلیمان ندوی

سیرت میں محاضراتی ادب کے حوالے سے اردو میں جو نام سب سے پہلے اور سب سے نمایاں ملتا ہے وہ علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کا ہے۔

سید سلیمان ندوی کی دیگر کتب سیرت کے ساتھ ساتھ ایک اور کاوش مطالعۂ سیرت کے حوالے سے اختصاص و امتیاز رکھتی ہے، وہ ہے خطباتِ مدراس۔ ان خطبات میں انہوں نے قارئینِ سیرت کو ایک نئی دنیا سے روشناس کرایا، اور سیرتی ادب میں پہلی بار نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کے امتیازی پہلوؤں کو تجزیاتی اسلوب میں پیش کیا۔ یہ کتاب ان غیر مسلموں کے لیے بھی بہترین تحفے کی حیثیت رکھتی ہے، جو مختلف مذاہب کا مطالعہ کر کے راہِ ہدایت تلاش کرنا چاہتے ہیں۔ اس کتاب میں سید صاحب نے بتایا ہے کہ کسی بھی شخصی سیرت کا کمال انبیائے کرام علیہم السلام کے علاوہ کہیں نہیں مل سکتا، اور دائمی نمونۂ عمل صرف آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ ہے۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اس بات کا صرف دعویٰ نہیں کیا، بل کہ اس کے لیے دلائل بھی دیے ہیں۔ اس کتاب کے تمام خطبات اسی بنیادی تصور کے گرد گھومتے ہیں۔

اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ مولانا ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے سیرتِ طیبہ کے عملی پہلو کو زیادہ اہمیت دی ہے اور پیغامِ محمدی کے زیرِ عنوان آخری خطبہ تو خاص اسی پہلو کو پیش کرتا ہے، یہ نکتہ ماقبل کے سیرت نگاروں کے ہاں ہمیں اس قدر مضبوط اور توانا صورت میں نظر نہیں آتا۔

یہ اپنے موضوع پر نہایت اہم کتاب ہے۔ یہ کتاب اس موضوع پر نہ صرف یہ کہ رجحان ساز ثابت ہوئی بل کہ بلا خوف و تردید کہا جا سکتا ہے کہ اس کتاب کی مثال پورے سیرت لٹریچر میں موجود نہیں۔ یہ کتاب آٹھ خطبات پر مشتمل ہے، جو علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے مدراس کے لالی ہال میں دیے تھے۔ آپ کے خطبات کا یہ سلسلہ اکتوبر ۱۹۲۵ء کے پہلے ہفتے سے شروع ہو کر نومبر ۱۹۲۵ء کے آخری ہفتے میں ختم ہوا۔ علامہ سید سلیمان ندوی کے یہ خطبات اسلام کی آفاقیت اور نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی سیرتِ مبارکہ کی عالم گیریت، ہمہ گیریت اور جامعیت و کمال کا نہایت کمال کے ساتھ احاطہ کرتے ہیں۔ ان خطبات کے موضوعات سے

ہی یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ خطبات سیرت کے عالمی ادب میں کس قدر نمایاں اور فائق مقام رکھتے ہیں۔

ان خطبات کے عنوانات یہ ہیں:

۱۔ انسانیت کی تکمیل صرف انبیا علیہم السلام کی سیرتوں سے ہوسکتی ہے۔

۲۔ عالم گیر اور دائمی نمونۂ عمل صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت ہے۔

۳۔ سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تاریخی پہلو

۴۔ سیرتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تکمیلی پہلو

۵۔ سیرتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جامعیت

۶۔ سیرتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عملی پہلو یا عملیت

۷۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام

۸۔ پیغامِ محمدی، عمل

یہ خطبات سیرتِ طیبہ کا حاصل بھی کہے جا سکتے ہیں اور خلاصہ بھی، مگر ان خطبات کی سب سے اہم خوبی یہ ہے کہ یہ اس اسلوب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کے امتیاز اور اس کے عالم گیر اثرات کو اس طرح ذہن نشین کراتے ہیں کہ مرعوبیت کے تمام بادل قاری کے ذہن سے چھٹ جاتے ہیں۔ ان خطبات کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ یہ ایسے ماحول میں دیے گئے جب مسلمانوں کے جدید تعلیم یافتہ طبقے میں مستشرقین کی علمی سرگرمیوں کا غلغلہ تھا، جن کے اثرات سے جدید اذہان متأثر ہو کر شکوک و شبہات کا شکار ہو رہے تھے۔ سید صاحب کے ان خطبات نے اس فضا کو صاف کرنے اور صحیح صورتِ حال قلوب و اذہان میں راسخ کرنے میں انتہائی اہم کردار ادا کیا۔ ان خطبات کا اسلوب عالمانہ مگر اندازِ بیان انتہائی سادہ و سلیس ہے، جس کے سبب یہ خطبات از خود ذہن نشین ہوتے اور دل میں اترتے چلے جاتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ یہ کتاب انتہائی مقبول ہوئی اور آج بھی اس کے دسیوں ایڈیشن بازار میں موجود ہیں۔ اس کتاب کی ایک اہم خوبی یہ بھی ہے کہ اس نے سیرت طیبہ پر محاضرات اور خطبات کا ایک اسلوب رائج کیا، یہی وہ کتاب ہے جس نے سیرت نگاروں کو سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے نیا اسلوب تحقیق اور انداز غور و فکر دیا۔

خطباتِ مدراس کا اہم موضوع سیرت مبارکہ کی جامعیت ہے۔ علامہ سید سلمان ندوی رحمہ اللہ اپنے اس سلسلہ خطبات کے پانچویں خطبے میں رسول اکرم ﷺ کی سیرت مبارکہ کی جامعیت پر اس طرح کلام کرتے ہیں:

آں حضرت ﷺ کو آپ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں دیکھو، یہ جامعیت کی صفت کاملہ پورے طور پر نمایاں ہوجائے گی۔ مکے کے پیغمبر ﷺ کو جب مکے سے یثرب جاتے دیکھو تو کیا وہ پیغمبر تم کو یاد نہ آئے گا جو مصر سے مدین جاتا نظر آتا ہے، کوہ حرا کے غار نشین اور کوہ سینا کے تماشائی میں ایک حیثیت سے کیسی یکسانی نظر آتی ہے، مگر جو فرق ہے وہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کی آنکھیں کھلی تھیں اور آں حضرت کی بند، حضرت موسیٰ باہر دیکھ رہے تھے اور آں حضرت اندر، کوہ زیتون پر وعظ کہنے والے پیغمبر (حضرت عیسیٰ) اور صفا پر چڑھ کر یا معشر قریش! کہہ کر پکارنے والے میں کتنی مشابہت ہے۔ بدر و حنین اور احزاب و تبوک والے سپہ سالار اور موابیوں اور عمونیوں اور اموریوں سے نبرد آزما پیغمبر (موسیٰ) میں کس قدر مماثلت ہے۔ آں حضرت ﷺ نے مکے کے سات سرداروں کے حق میں بد دعا کی، تو آپ ﷺ کی زندگی موسیٰ کے مثل تھی، جب انہوں نے ان فرعونیوں پر بد دعا کی، جو معجزات پر معجزات دیکھنے کے باوجود ایمان نہ لائے، اور جب آپ نے احد میں اپنے قاتلوں اور دشمنوں کے حق میں دعائے خیر کی تو اس وقت گویا آپ ﷺ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قالب میں تھے، جنہوں نے کبھی اپنے دشمنوں کا بھی برا نہیں چاہا۔ جب محمد رسول اللہ ﷺ کو تم مسجد نبوی کی عدالت گاہ اور پنچایتوں میں یا غزوات اور لڑائیوں میں دیکھو تو حضرت موسیٰ کی سیرت کا نقشہ کھنچ جائے۔ لیکن جب آپ ﷺ کو مکان کے حجروں میں پہاڑوں کے غاروں میں، رات کی تنہائیوں اور تاریکیوں میں دیکھو تو حضرت عیسیٰ کا جلوہ نظر آئے گا۔ شب و روز کے چوبیس گھنٹوں میں آپ ﷺ کی زبان مبارک کی دعاؤں اور مناجاتوں کو سنو تو زبور والے داؤد کا تم کو دھوکا ہوگا۔ فتح مکہ کے خدم وحشم اور بیرق و علم کے سائے میں آپ ﷺ کو دیکھو تو تزک و

احتشام اور فوجوں والے سلیمان کا مغالطہ ہوگا۔ اگر شعب ابی طالب میں آپ کو تین برس اس طرح محصور دیکھو کہ کھانے کا سامان تک بھی وہاں نہ پہنچ سکے، تو مصری قید خانے کے پیغمبر یوسف کا جلوہ دکھائی دے گا، غرض

حسنِ یوسفؑ، دمِ عیسیٰؑ، ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حضرت موسیٰؑ قانون لے کر آئے، حضرت داؤدؑ دعا اور مناجات لے کر اور حضرت عیسیٰ زہد و اخلاق لے کر، مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قانون بھی لائے اور دعا و مناجات بھی اور زہد و اخلاق بھی، ان سب کا مجموعہ الفاظ و معانی میں قرآن اور عمل میں سیرت محمدی ہے۔(۱)

یہ وقیع علمی خطبات اردو دنیائے سیرت کے لیے امتیاز کا درجہ رکھتے ہیں، اور ان چند کتب میں سرفہرست ہیں، جن کی بابت بلاخوف تردید کیا جاسکتا ہے کہ ان کی نظیر دنیائے عرب کے سیرت لٹریچر میں بھی موجود نہیں ہے۔ یہ خطبات بارہا چھپے اور مسلسل چھپ رہے ہیں، ان کی اس اہمیت کے سبب دنیا کی مختلف زبانوں میں ان کے تراجم بھی ہوئے، عربی میں اس کا ایک مستند ایڈیشن برادر محترم جناب مولانا رحمت اللہ ندوی کی زیر ادارت شائع ہو چکا ہے۔ اگرچہ اس سے قبل خطبات مدراس کا ایک عربی ترجمہ مولانا ناظم ندوی سابق شیخ الجامعہ، اسلامیہ یونیورسٹی بھاولپور کے قلم سے بھی شائع ہو چکا ہے۔ اس کا ایک اردو ایڈیشن، جواب تک کی اشاعتوں میں سب سے مستند اور محقق ہے، وہی مولانا رحمت اللہ ندوی کے عربی ایڈیشن سے مستفاد ہے، یعنی اس کے حواشی عربی ایڈیشن سے لیے گئے ہیں۔ یہ اشاعت ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے زیر اہتمام منظر عام پر آئی ہے۔ (۱۲سی کا حوالہ حاشیے میں درج ہے۔) اس کا سندھی اور پشتو ترجمہ الگ الگ دعوہ اکیڈمی، اسلام آباد

۱۔ ندوی، سید سلیمان۔ خطبات مدراس۔ تخریج و حواشی: رحمت اللہ ندوی۔ اسلام آباد، ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد ۲۰۱۱: ص ۱۶۳۔ ۱۶۴

سے عرصہ ہوا شائع ہو چکا ہے۔(۱)

مولانا عبدالماجد دریابادی

تاریخی ترتیب میں علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کے خطباتِ مدراس کے بعد مولانا عبد الماجد دریابادی رحمہ اللہ کے خطبات سیرت ہیں، جو جنوری ۱۹۵۷ء میں مدارس ہی میں دیے گئے تھے اور بعد میں سیرت نبوی قرآنی کے نام سے شائع ہوئے اور اس کے بعد مسلسل شائع ہو رہے ہیں۔ سیرت طیبہ کو قرآن حکیم کی روشنی میں جاننے اور سمجھنے کی یہ پہلی اور اب تک کی سب سے وقیع کوشش قرار دی جاسکتی ہے۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادی کے یہ خطبات بھی نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔ اس لیے کہ ان میں موجود معلومات اور مولانا کا اسلوب دونوں پہلو اس کتاب کی افادیت کے شواہد ہیں۔

مولانا عبدالماجد دریابادی صاحب اسلوب قلم کار ہیں، اور آپ کے جملے بعض اوقات ضرب الامثال کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں، ان خطبات میں بھی مولانا عبدالماجد دریابادی کے قلم کا یہ ہنر نمایاں نظر آتا ہے، لیکن اس سے زیادہ اس کتاب یا خطبات کی خوبی یہ ہے کہ یہ قرآن کریم کی روشنی میں سیرت طیبہ بیان کرنے کی ابتدائی بل کہ شاید پہلی کاوش ہے، اور کامیاب ترین کاوش۔ آج قرآن کریم کو بنیاد بنا کر سیرت طیبہ تحریر کرنے والوں کی تعداد کم نہیں۔ (۲) لیکن بہت کم تحریروں کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے موضوع کا حق ادا کیا ہے، یہ بات اس کتاب پر صادق آتی ہے۔ یہ کتاب کل نو خطبات پر مشتمل ہے، جن کے عنوانات کچھ یوں ہیں:

۱۔ظہور کی پیش خبریاں

۲۔نام، نسب، وطن، زمانہ

۱۔اس کا پشتو ترجمہ سعید اللہ قاضی کے قلم سے ہے، اور ۱۹۹۰ء کی دہائی میں دعوۃ اکیڈمی اسلام آباد کے تحت شائع ہوا تھا۔ ص ۲۴۰

۲۔ہم اپنی کتاب ''پاکستان میں اردو سیرت نگاری'' میں اس حوالے سے ایسی کتب کی ایک فہرست بھی پیش کر چکے ہیں اور چند اہم کتب کا تعارف بھی۔

۳۔خصائص و مشاغل

۴۔رسالت و بشریت

۵۔ہجرت

۶۔غزوات و محاربات

۷۔معاصرین، مشرکین، یہود و نصاری، منافقین، مومنین

۸۔معجزات و دلائل

۹۔خانگی اور ازدواجی زندگی۔

مولانا دریا بادی اس کتاب میں مکی اور مدنی تعلیمات کے عنوان سے دو الگ الگ ابواب مزید قائم کرنا چاہتے تھے، مگر یہ اضافہ ممکن نہ ہوسکا۔ ساتویں خطبے میں، جہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معاصر طبقات کا ذکر کیا ہے، وہاں مومنین کا بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> چوتھا طبقہ آپ کے ان معاصرین مخاطبین کا ہے، جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دعویٰ نبوت کی تصدیق کی، اور آپ کی زبان سے ہی آپ کا پیام سن کر کلام الٰہی پر ایمان لائے، اصطلاح میں انہیں صحابہ رسول یا اصحاب رسول کہتے ہیں یہ اپنے اعمال و اطوار، اخلاق و عادات میں، اپنے مرشد اعظم ہی کے ڈھرے پر چلے اور بہ حیثیت مجموعی ایسے نقل مطابق اصل ثابت ہوئے کہ خود دوسروں کے لیے حجت و معیار بن گئے۔ اکبرالہ آبادی نے یہی تاریخی حقیقت اپنی شاعرانہ زبان میں یوں ادا کی ہے:
>
> خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
> کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا!(۱)

ان خطبات کے اختتام پر اختتامیہ کا عنوان دے کر فاضل علام اس موضوع اور قرآن کریم کے بہ طور ماخذ سیرت اہمیت پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> خطباتی معروضات ختم ہوگئے، مقدمے یا افتتاحیے میں جو کچھ عرض کرنا تھا اب

۱۔سیرت نبوی قرآنی: دریا بادی، عبدالماجد، مولانا۔ لاہور، مکتبہ رشیدیہ: ص ۱۶۹

اختتامیے میں عرض کر رہا ہوں۔ ان لکچروں کی تیاری کا جس وقت حکم ملا تھا، اپنی ناتجربہ کاری کی بنا پر مدت کافی ہی بل کہ اچھی خاصی معلوم ہوئی تھی، لیکن جب کام کو ہاتھ لگایا اور قرآن مجید کا مطالعہ اس خاص مقصد سے بہ غور شروع کیا تو نظر آیا کہ معلومات کا ایک دریا ابلتا ہوا اور امنڈتا ہوا سامنے ہے، اور اس سمندر کو سمیٹ کر ایک مختصر محدود مدت کے اندر کوزے میں بند کرنا مجھ جیسے نااہل فرد کی حد استطاعت سے باہر ہے۔ سوا چھ، ساڑھے چھ ہزار قرآنی آیتوں میں سے اگر نصف نہیں تو ایک ثلث تو بہ ہر حال ایسی ہیں کہ جن سے سیرۃ نبوی کے کسی نہ کسی پہلو پر روشنی ضرور پڑتی ہے، اب پچھتایا کہ مہلت اور مزید کیوں نہ مانگ لی، لیکن وقت اب پچھتانے کا بھی گذر چکا تھا۔ جوں توں اور بڑی عجلت اور رواروی میں جو کچھ بھی بن پڑا بہ طور ماحضر پیش کر دیا گیا۔ ادھر حالات بھی متواتر ایسے پیش آتے گئے کہ کچھ تو اپنی علالت کچھ دوسری ناگزیر مصروفیتوں نے وقت کا خاصا بڑا حصہ اپنی طرف لے لیا، اور دو ایک ضروری عنوان جو رسول پاک کی مکی تعلیمات اور مدنی تعلیمات پر ہونے تھے یک سر کورے رہ گئے، کہیں کہیں شاید ایسا بھی ہوا ہے، کہ آیات قرآنی معرض بیان میں مکرر آ گئی ہیں، وجہ ظاہر ہے ایک ہی آیت سے استخراج و استنباط کئی کئی مسئلوں کا ہوسکتا تھا بہ ہر حال سامعین با تمکین اب فروگذاشتوں اور خامیوں سے درگذر فرمائیں، خطبہ نویس کے بس میں تو بس اتنا ہی ہے کہ نظر ثانی کے وقت ہو سکے تو ان ضروری اوراق کا اضافہ کر دے، اور جب اس مجموعے کے طبع و اشاعت کی نوبت آئے تو تکمیل کسی نہ کسی حد تک تو ہی جائے۔ (۱)

یہ خطبات اپنے مضمون کے لحاظ سے جس قدر وقیع ہیں، اپنی طباعت کے اعتبار سے اسی قدر توجہ چاہتے ہیں۔ کاش کوئی ادارہ مناسب اور ضروری ادارت کے ساتھ ان خطبات کی شایان شان اشاعت کا اہتمام کر سکے۔

۱۔ سیرت نبوی قرآنی: ص ۲۱۳۔ ۲۱۴

ڈاکٹر حمید اللہ

ڈاکٹر محمد حمید اللہ جدید سیرت نگاری کا اہم ترین نام ہے، انہوں نے متعدد جہات سیرت پر اپنی نگارشات پیش کی ہیں۔ خاص سیرت طیبہ پر خطبات کے حوالے سے ڈاکٹر حمید اللہ کی دو کتب موجود ہیں۔ خطبات سیرت طیبہ اور خطبات بھاول پور، ان میں اصل اہمیت تو خطبات بھاول پور ہی کو حاصل ہے، مگر تاریخی ترتیب کے اعتبار سے آپ کے خطبات سیرت طیبہ مقدم ہیں، اس بنا پر ہم خطبات سیرت طیبہ سے ہی اپنی بات کا آغاز کرتے ہیں۔

خطبات سیرت طیبہ

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے خطبات سیرت طیبہ بھی ابتدائی خطبات ہیں، یعنی اردو میں اس روایت کے ابتدا ہی میں یہ خطبات سامنے آئے۔ یہ خطبات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن میں ۱۹۴۸ء میں دیے گئے۔ ان کا ایک تسہیل شدہ ایڈیشن مئی ۲۰۱۸ء میں کتب خانہ سیرت کے زیر اہتمام سامنے آیا ہے۔ یہ مختصر ترین مجموعہ ہے، یہ کل چھ خطبات ہیں، جن کے موضوعات عمومی مطالعۂ سیرت سے متعلق رکھتے ہیں۔ ان خطبات کے عنوانات یہ ہیں:

۱۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطالعے کا فائدہ

۲۔ اسلام کی ابتدا کے وقت عرب کے ہم سایہ ممالک کی حالت

۳۔ آغاز اسلام کے وقت شہر مکہ کی حالت

۴۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات، نبوت سے پہلے

۵۔ نبوت سے ہجرت تک کے لیے حالات و واقعات

۶۔ ہجرت سے وفات تک کے حالات

یہ خطبات نہایت اختصار کے ساتھ چند واقعات سیرت پیش کرتے ہیں، چناں چہ پانچوں خطبے میں نبوت سے ہجرت تک کے واقعات صرف سات صفحات میں آ گئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطبات بھی زبانی دیے گئے ہیں، اور ڈاکٹر صاحب کے عمومی اسلوب کے مطابق ان کی زبان نہایت سادہ، جملے چھوٹے چھوٹے اور بات مکمل ہے۔ اسباب ہجرت مدینہ کے سلسلے میں ایک مختصر اقتباس ملاحظہ ہو:

قریش نے مسلمانوں سے شہر خالی ہوتا دیکھا تو کچھ اس خیال سے کہ آں حضرت ﷺ اب تنہا اور غیر محفوظ ہیں اور کچھ اس خوف سے کہ کہیں آپ ﷺ بھی مدینے جا کر وہاں والوں کی مدد سے سابقہ تکالیف کا انتقام نہ لیں۔ آپ ﷺ کی جان کے خلاف ایک نہایت موثر اور زبردست سازش کی۔ یہ کھلا اعلان جنگ تھا۔

آں حضرت ﷺ وہاں سے نکل جاتے ہیں اور صرف اخلاق محمدی ﷺ ہی سے توقع کی جاسکتی ہے کہ آپ کے پاس ان خون آشام دشمنوں کی جو جائیداد یا مالی امانت تھی، اس کی واپسی کا انتظام اپنے چچازاد بھائی اور عزیز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کر کے روانہ ہوں۔(۱)

ڈاکٹر صاحب اپنے تیسرے خطبے میں مکہ مکرمہ کے حالات، اس کی جغرافیائی اہمیت اور وہاں کے رہن سہن پر گفت گو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قیاس کیا جاتا ہے کہ انسان پہلے قبائلی زندگی بسر کرتا تھا، پھر خود مختار شہر بنے، اس کے بعد مملکتیں وجود میں آئیں۔ جن کے تحت ایک سے زائد شہر ہوتے تھے۔ آغازِ اسلام کے وقت تک عرب، خاص کر حجاز میں کوئی مملکت وجود میں نہیں آئی تھی۔ لوگ یا تو خانہ بدوش قبائل پر مشتمل تھے یا خود مختار شہروں میں جیسے مکہ، طائف اور مدینہ وغیرہ۔ اکثر قبائل کے دو حصے ہوتے۔ قدامت پسند بدوی رہنا پسند کرتے، ان میں سے کچھ شہری زندگی کی جدت اختیار کر لیتے اور بدویوں کو حقارت سے دیکھتے۔ یہ خود مختار شہر جنہیں شہری مملکت (سٹی اسٹیٹ) کہا جاسکتا ہے، انفرادیت کی جگہ اجتماعیت کی تحت تھے۔ مکہ کے حالات خاص کر دلچسپ ہیں۔ یہاں مختلف عہدے بجائے تقرر کے ذریعہ پُر ہونے کے، موروثی چلے آ رہے تھے۔ سپہ سالار، علم بردار، قومی عبادت خانہ کے منتظم، خطیب و سفیر جسے وزیر خارجہ کہا جاسکتا ہے، خون بہا اور دیگر جرمانوں کا نگران، اور اسی طرح کے

۱۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، خطبات سیرت طیبہ۔ کراچی، کتب خانہ سیرت ۲۰۱۸ء: ص ۴۰۔۴۱

متعدد دیگر عہد دار پائے جاتے تھے۔ شہر میں ایک دارالندوہ (۱) بھی تھا۔ جس میں چالیس سال سے زیادہ عمر کے باشندے شریک ہو سکتے تھے اور یہیں بحث و مباحثے کے ذریعہ تمام اہم امور طے ہوتے تھے۔

مکہ کاروانی راستوں کا ایک اہم جنکشن تھا۔ شام، یمن اور طائف کے راستے یہیں ملتے تھے، لیکن جس مقام پر مکہ آباد ہے وہ مقام محض نا قابل زراعت ہے۔ پانی کی بھی بڑی کمی ہے۔ پھر بھی شہر میں کاروبار خاصہ ہوتا تھا۔ (مؤرخ ابن قتیبہ نے اپنے کتاب ''المعارف'' میں ان مختلف بستیوں کی تفصیل دی ہے جو مکہ میں شمار کئے جاتے تھے)۔ ان میں زیادہ اہم تجارت کا پیشہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا (ہاشم) کے زمانہ میں مکی تاجروں کی سفارت نے قیصر روم، حبش کے نجاشی، ایران کی کسریٰ اور یمن وغیرہ کے اُمراء وشیوخ سے اس بات کے اجازت نامے، منشور (چارٹر) حاصل کر لئے تھے کہ مکی کارواں، ان تمام علاقوں میں تجارت کے لئے آیا جایا کریں گے۔ یہ کارواں موسم گرما میں شام او رمصر جایا کرتے تھے اور موسم سرما میں یمن اور دیگر جنوبی علاقوں کو مکہ کی اس جغرافیائی اور معاشی اہمیت کے باعث بازنطینی حکمراں اس بناء پر اپنا اثر ونفوذ قائم کرنے کی برابر کوشش کرتے رہے۔ چنانچہ مؤرح ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ قصّی نے قیصر روم ہی کی مدد سے خزاعیوں کو مکہ سے نکال باہر کیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد قیصر کو مکہ اپنے ماتحت ہونے کا یقین ہو گیا۔ خاص کر ہاشم کے تجارتی معاہدہ کی وجہ سے اس کے چند دنوں بعد سہیلی (سیرت ابن ہشام) کے مطابق تحریک اسلام شروع ہونے سے کچھ ہی پہلے قیصر روم نے عثمان بن الحویرث کو ایک باقاعدہ تاج عطا کر کے مکہ کا بادشاہ نامزد کیا۔ گو مقامی اہل حل و عقد کی ایک مخالفت کے باعث عثمان دل شکستہ ہو کر شام واپس پہنچ گیا اور وہیں مر

۱۔ دارالندوہ کو عصرِ جدید کا اسمبلی حال یا پارلیمان کہہ سکتے ہیں خود دارالندوہ کا ترجمہ ''پارلیمنٹ ہاؤس'' ہے

گیا۔(۱)

اہم بات یہ ہے کہ ان خطبات کا اصل ابتدائی ایڈیشن ہمارے سامنے موجود نہیں، اس لیے نہیں کہا جاسکتا کہ ناشر نے تسہیل سے کیا مراد لیا ہے، اور یہ ایڈیشن اصل سے کس قدر مماثلت رکھتا ہے۔کوشش کے باوجود اصل ایڈیشن ہم دست نہیں ہوسکا۔شاید اس صورت میں ہمارے لیے ان خطبات کے اسلوب پر بات کرنا زیادہ بہتر انداز میں ممکن ہوتا۔

خطبات بھاول پور

خطباتِ مدراس کے بعد خطابتی اسلوب میں سب سے اہم کتاب جو مقبول ہوئی وہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی خطباتِ بھاول پور ہے، بل کہ حقیقت یہ ہے کہ اردو کے مذہبی ادب میں یہ فائق ترین کتاب ہے۔ یہ خطبے ۸ مارچ ۱۹۸۰ء سے ۲۰ مارچ تک اسلامیہ یونیورسٹی بھاول پور کے غلام محمد گھوٹوی ہال میں دیے گئے، اور فاضل محقق و مقرر کی عنداللہ قبولیت کی یوں علامت ثابت ہوئے کہ آج خطباتِ بہاول پور کے نام سے ایک زمانہ واقف ہے۔ یہ خطبات اصلاً اسلامی نظام کے ایک مجموعی تأثر کو پیش کرتے ہیں، اس لیے یہ علومِ اسلامی کے مختلف پہلوؤں پر مشتمل ہیں، مگر ان کا بڑا حصہ سیرتِ طیبہ سے بحث کرتا ہے، خصوصاً اس کے چھ سات خطبات تو بہ راہِ راست سیرتِ طیبہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

ان خطبات کی تفصیل یہ ہے:

۱۔تاریخ قرآن مجید

۲۔تاریخ حدیث شریف

۳۔تاریخ فقہ

۴۔تاریخ اصول فقہ و اجتہاد

۵۔اسلامی قانون بین الممالک

۶۔دین (عقائد، عبادات، تصوف)

۷۔عہد نبوی میں مملکت اور نظم و نسق

۱۔خطبات سیرت طیبہ: ص ۲۲

۸۔عہد نبوی میں نظام دفاع اور غزوات

۹۔عہد نبوی میں نظام تعلیم

۱۰۔عہد نبوی میں نظام تشریع وعدلیہ

۱۱۔عہد نبوی میں نظام مالیہ وتقویم

۱۲۔عہد نبوی میں تبلیغ اسلام اور غیر مسلموں سے برتاؤ۔

ان خطبات میں قانون بین الممالک، مملکت اور نظم ونسق، نظامِ دفاع اور غزوات، نظامِ تعلیم اور سرپرستیٔ علوم، نظامِ تشریع وعدلیہ، نظامِ مالیہ وتقویم، تبلیغِ اسلام اور غیر مسلموں سے برتاؤ سیرت طیبہ کے حوالے سے زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ یہ خطبات اس بنا پر بھی رجحان ساز کہے جاسکتے ہیں کہ ان کے بعد اردو میں محاضرات اور خطبات کا ایک طویل سلسلہ قائم ہوا، جن میں ڈاکٹر محمود احمد غازی کے خطبات اور محاضرات سمیت بہت سے اہل علم کے خطبات اور محاضرات شامل ہیں، اور جن کا ذکر اس مضمون میں کیا جارہا ہے۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمہ اللہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمہ اللہ سے جس درجے قریبی تعلق رکھتے تھے، اس کا اظہار ان کے سلسلۂ محاضرات سے یوں بھی ہوتا ہے کہ اس کی ہر جلد خطباتِ بھاول پور کی طرح بارہ بارہ خطبات پر مشتمل ہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے ان خطبات میں اہم ترین بات یہ ہے کہ علوم اسلامی کے ایک بہت بڑے حصے کا تعارف اس جامعیت کے ساتھ بیان ہوگیا ہے کہ اس کے مطالعے کے بعد پورے اسلام کا ایک مجموعی خاکہ انسان کے ذہن نشین ہوسکتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی یہ خطبات اپنے اسلوب اور مضامین کے اعتبار سے اسلامی لٹریچر میں فائق اور ممتاز حیثیت کے حامل ہیں۔ جن پر علیحدہ سے کلام کی ضرورت ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے ان خطبات کا ایک کمال ڈاکٹر صاحب کا سادہ مگر عالمانہ وجاہت سے عملی اسلوب استدلال اور قوت استدلال ہے۔ جنگ بدر کے ایک واقعے سے ڈاکٹر صاحب کا استدلال ملاحظہ کیجیے۔ فرماتے ہیں:

> جنگ بدر سے عین قبل کا واقعہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ دیکھا کہ قریش شمال کی طرف گئے ہیں تو آپ کے ذہن میں یہ بات آئی کہ دشمن

کا کارواں اسی راستے سے واپس آئے گا، کسی اور راستے سے وہ نکل نہیں سکتا۔ لہٰذا دو جاسوس مقرر کیے کہ تم بھی شام کو جاؤ۔ اس کارواں کے قریب رہو۔ جیسے ہی وہ واپسی کا انتظام کر کے، واپسی کا ارادہ کرے، تیزی سے آ کر ہمیں اطلاع دو کہ دشمن اب آنے والا ہے۔ تجارتی کارواں اور جاسوسوں کے رفتار تقریباً یکساں ہی تھی، کیوں کہ اونٹوں کے سوا اور کوئی تیز رو سواری میسر نہیں تھی۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ جب یہ دونوں جاسوس تیزی سے مدینے واپس آئے تو دیکھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کارواں کی آمد کی اطلاع دیگر وسائل سے ہو چکی ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینے سے روانہ بھی ہو چکے ہیں۔ اس سے یہ استنباط کرنا پڑتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مختلف وسائل اختیار فرماتے تھے، تاکہ دشمن کی خبریں مسلمانوں تک پہنچتی رہیں اور اس کی بھی کوشش کرتے کہ ہماری خبریں دشمن تک پہنچنے نہ پائیں۔ غرض رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینے کے نکل چکے تھے اور فوجی فراست کی بہ دولت مدینے کے شمال کی طرف جانے کی بہ جائے مدینے کی جنوب شہر مکہ کی طرف جاتے ہیں، تاکہ دشمن سے پہلے کسی محفوظ مقام پر پہنچ جائیں جہاں دشمن کا روکنا ممکن ہو۔ اس کے لیے بدر کا مقام منتخب کیا گیا ہے۔(۱)

اسی طرح ایک دوسرے مقام پر ڈاکٹر صاحب میثاق مدینہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

جہاں تک مدینے کا تعلق ہے تو وہاں سوائے اس کے کوئی امکان نہ تھا کہ ہر شخص اپنی مدد آپ کرے۔ ان حالات میں رسول اللہ کے مدینے تشریف لانے کے بعد جب شہری مملکت قائم ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا دستور مدون فرمایا اور دنیا کا یہ پہلا دستور تحریری طور پر منضبط کر کے نافذ بھی کیا۔ اس

۱۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر۔ خطباتِ بھاول پور۔ اسلام آباد، ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، ۱۹۸۵ء: ص ۲۵۹۔ ۲۶۰

میں ایک عجیب وغریب حکم دیا گیا، جسے انقلابی نوعیت کا کہا جا سکتا ہے۔ وہ یہ کہ انصاف بہ جائے انفرادی کے مرکزی شئے ہوگی۔ یعنی اگر کسی کو نقصان پہنچا ہے تو وہ براہ راست مجرم کو سزا نہیں دے گا بل کہ مرکزی عدالت سے رجوع کرے گا۔ حاکم عدالت حالات سن کر بغیر رعایت کے پوری غیر جانب داری کے ساتھ مقدمے کا فیصلہ کرے گا، اور ظالم کو سزا دے کر مظلوم کو اس کا حق دلائے گا۔ اس کے بارے میں کچھ دفعات اور بھی ہیں، وہ یہ کہ کسی شخص کو ظالم کی حمایت کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ چاہے اس کا اپنا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔ فرض کیجیے کہ میرے بیٹے نے کسی کو قتل کر دیا ہو تو باوجود باپ ہونے کے مجھے یہ حق نہیں ہے کہ میں اپنے بیٹے کی حمایت کروں، اور پولیس کی طرف سے اس کی گرفتاری کے وقت مدافعت کروں۔ اس کے برخلاف یہ کہا گیا ہے کہ انصاف ایک خداوندی حکم ہے۔ لہٰذا ہر شخص کو چاہیے کہ انصاف کے لیے پورا تعاون کرے، اور کسی ظالم کو نہ بچائے، چاہے وہ اس کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔ (۱)

اور ایک مقام پر جزیے کے حوالے سے ایک عمومی غلط فہمی کا ازالہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فوجی ضروریات کے تحت غیر مسلم رعایا پر ایک ٹیکس عائد کیا جاتا ہے، جو جزیہ کہلاتا ہے۔ یہ جزیہ اسلام کی ایجاد نہیں ہے، اسلام سے پہلے ایران وغیرہ میں بھی جو لوگ فوجی خدمت انجام نہیں دیتے تھے، ان کو ایک ٹیکس ادا کرنا پڑتا تھا۔ چناں چہ یہ چیز اسلام میں بھی آئی۔ غیر مسلم رعایا بہت ہی خفیف ٹیکس دے کر، جو سال میں دس دن کی غذا کے مترادف تھا، اسلامی سلطنت کی پوری حفاظتی قوتوں اور پولیس وغیرہ کی خدمات سے مستفید ہوتے رہتے اور جس وقت مسلمان اپنا سر کٹاتے یہ اپنی تجارت اور کاروبار میں لگے ہوئے دولت کماتے۔ اس کے علاوہ ایک اور چیز غیر مسلموں کے متعلق ہمیں نظر آتی ہے کہ محض دین کی بنا پر ان کے

۱۔ خطباتِ بھاولپور: ص ۳۴۲

ساتھ کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جاتا تھا۔(۱)

یوں یہ تمام خطبات اپنے موضوع کے تنوع، قوت استدلال، عالمانہ اسلوب اور سادہ مگر پراثر انداز بیان کی وجہ سے اردو کے سیرتی ادب میں نمایاں ترین اہمیت رکھتے ہیں۔

ڈاکٹر سید سلمان ندوی

آج سے کوئی بیس برس قبل جامعہ اشرفیہ لاہور میں ۳ اکتوبر ۲۰۰۱ء سے ۱۳ اکتوبر ۲۰۰۱ء تک علامہ سید سلیمان ندوی کے صاحب زادے اور ڈربن یونیورسٹی ساؤتھ افریقہ کے سابق پروفیسر ڈاکٹر سید سلمان ندوی کے آٹھ خطبات ہوئے، جو خطبات سیرت کے عنوان سے چھپ چکے ہیں۔ ان کے عنوانات یہ ہیں:

۱۔ اسلام سے قبل عرب کے مذہبی، سماجی اور سیاسی پس منظر کا تجزیہ
۲۔ پہلی وحی اور اس کے اثرات
۳۔ قریش کی طرف سے شدید مزاحمت کی وجوہات
۴۔ معراج کی حقیقت و اہمیت اور نتائج مجالس عقبہ
۵۔ ہجرت مدینہ تاریخ اسلام کا نقطہ انقلاب
۶۔ میثاق مدینہ کی ضرورت اور اس کی اہمیت
۷۔ نمایاں غزوات، بدر، احد اور خندق اور ان کے اسباب اور دور رس نتائج
۸۔ صلح حدیبیہ، ایک کھلی کامیابی۔(۲)

یہ خطبات بھی زبانی دیے گئے، اور ان کا اسلوب بھی عام گفت گو کا ہے، جسے بعد میں تحریر کے قالب میں ڈھالا گیا ہے۔ مضمون کے اعتبار سے ان خطبات کی اہمیت فنی سے زیادہ توضیحی ہے۔ چناں چہ ان میں ڈاکٹر صاحب نے قارئین کو مختلف واقعات سیرت کی حکمتوں کی جانب متوجہ کرنے اور ان کے نتائج پیش کرنے کی سعی کی ہے۔ مخالفت قریش کا ذکر کرتے ہوئے آپ اس کے نتائج بیان کرتے ہیں، اور دو نتیجے خاص طور پر پیش کرتے ہیں، آپ

۱۔ خطبات بھاول پور: ص ۴۱۵

۲۔ ندوی، سید سلمان، ڈاکٹر۔ خطبات سیرت۔ لاہور، قریشی فاؤنڈیشن، س ن: ص ۱۶۰

فرماتے ہیں:

پہلا نتیجہ: مخالفت قریش کا پہلا نتیجہ تو ہجرت حبشہ کی صورت میں نکلا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام سے سن ۶۱۵ء، یا ۶۱۶ء میں فرمایا کہ جو لوگ ان مصائب کو برداشت نہیں کر سکتے، وہ حبشہ کی طرف ہجرت کر جائیں، اور اللہ تعالیٰ کا بھی عجیب انتظام تھا کہ ہجرت حبشہ کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ پہلی بار اسلام کا تعارف کسی دوسرے براعظم پر کروانا ہے، گویا اب اسلام ایشیا کے براعظم سے نکل کر افریقہ کے براعظم میں داخل ہو رہا تھا اور اگر آج افریقہ کی مسلم آبادی ساٹھ یا ستر فیصدی ہے تو اس پر تعجب نہیں ہونا چاہیے کہ اسلامی تاریخ کا سب سے پہلا باب افریقہ میں شروع ہوا، اور تاریخ میں پہلی بار مسلمان اقلیت کی شکل میں ایک غیر ملک میں ظاہر ہوئے۔

دوسرا نتیجہ: دوسرا نتیجہ اشاعت اسلام میں تیزی کی صورت میں ظاہر ہوا کہ جس قدر اسلام کی مخالفت بڑھتی گئی، اسی قدر اس کی اشاعت بڑھتی گئی، جس کی وجہ یہ تھی کہ غلام صحابہ، مثلاً حضرت بلالؓ وغیرہ کے آقا جب ان پر ظلم وستم کرتے تھے تو بعد میں یہ سوچتے تھے کہ آخر وہ کون سی چیز ہے جس کی خاطر یہ لوگ اتنی مصیبتوں کو برداشت کر رہے ہیں، اور ہم ان پر اتنا ظلم کرتے ہیں، لیکن اس کے باوجود یہ اسلام سے نہیں پھرتے، اب وہ اس کی کرید کرتے، پھر جو لوگ صاحب عقل سلیم ہوتے، وہ اسلام قبول کر لیتے اور ہٹ دھرم لوگ اپنی ہٹ پر قائم رہتے تھے۔ اور محض اسی مخالفت کی وجہ سے کتنے ہی لوگ مسلمان ہو گئے، چناں چہ حضرت عمرؓ کے واقعے ہی کو دیکھ لیجیے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نعوذ باللہ شہید کرنے کے لیے نکلے تھے، تلوار ان کے ہاتھ میں تھی، لیکن وہ وہاں جا کر مسلمان ہو جاتے ہیں، آپ بتائیں! کس نے ان کو جبراً مسلمان بنایا تھا؟ یا کون ان کو قتل کرنے گیا تھا، یا وہ کون سی تلوار تھی جس نے حضرت عمر کو مسلمان کیا۔(۱)

۱۔ خطباتِ سیرت: ص ۶۹۔ ۷۰

ڈاکٹر صاحب لے یہ خطبات بھی فکر ونظر کی جدید راہیں کھولنے میں مفید ثابت ہوسکتے ہیں، خاص طور پر فقہ السیر ہ کے حوالے سے اردو کی طبع زاد کتب میں ان خطبات کا ذکر بھی ناگزیر ہے۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمہ اللہ

ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمہ اللہ کا اصل میدان فقہ اور امور شریعت تھے، مگر انہوں نے مختلف اصناف میں قلم اٹھایا، اور محاضرات وخطبات پیش کیے۔ان میں اسلامی علوم وفنون کی بہت سی شاخیں شامل ہیں، حتی کہ ادب اور ادبی پہلوؤں پر بھی ان کی نگارشات ملتی ہیں۔ان سطور میں ہم ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمہ اللہ کی اردو کے محاضراتی ادب کے حوالے سے خدمات کا ذکر کریں گے۔

قانون بین الممالک

ڈاکٹر محمود احمد غازی کے زیادہ معروف محاضرات تو محاضراتِ سیرت ہیں، جن کا تعارف آگے بیان ہورہا ہے۔ان کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کے خطباتِ بھاول پور۔۲ بھی اہمیت کے حامل ہیں۔ جو ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے خطباتِ بھاول پور کے سلسلے کی مقبولیت کو دیکھتے ہوئے اسلامیہ یونیورسٹی بھاول پور میں ہی ۱۹۹۵ء میں دیے گئے تھے۔ یہ خطبات اگرچہ قانون بین الممالک سے تعلق رکھتے ہیں، مگر اس کے چند خطبے بہ راہِ راست سیرتِ طیبہ سے متعلق ہونے کے ساتھ ساتھ تمام خطبات میں سیرت ومتعلقاتِ سیرت سے استفادہ موجود ہے۔

خصوصیت کے ساتھ درج ذیل خطبات بہ راہ راست سیرت طیبہ کے مباحث پر مشتمل ہیں۔

اسلام کا قانون بین الممالک، ایک تقابلی جائزہ۔

اسلام کا تصورِ ریاست بین الاقوامی تناظر میں۔

ہجرت اور اس کا فلسفہ، بین الاقوامی تعلقات کے تناظر میں۔

اسلامی ریاست اور غیر مسلموں سے اس کے تعلقات۔

اسلام کا تصورِ جنگ اور قانونِ جنگ۔

ان خطبات میں خاص طور پر جنگ، ہجرت، غیر مسلموں سے تعلقات، غیر مسلم ریاستوں میں مسلم اقلیتوں کے مسائل اور جدید دور میں ریاست خصوصاً اسلامی ریاست کا تصور زیر بحث آئے ہیں، اور ان سب کا تناظر سیرت طیبہ بھی ہے۔ اس لیے سیرت سے ان خطبات میں مسلسل رہ نمائی نظر آتی ہے۔

ریاست کے اسلامی تصور پر بات کرتے ہوئے ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> قرآن پاک کی نظر میں شوریٰ کسی خاص میکانزم کا نام نہیں ہے، جیسا کہ دیگر نظاموں میں ہے، بل کہ قرآن پاک میں شوریٰ ایک مخصوص مزاج اور طرز عمل کا نام ہے۔ یہ مزاج خاندانی نظام سے لے کر بین الاقوامی معاملات تک کارفرما ہونا چاہیے۔ اسلام نے تو یہاں تک کہا کہ میاں بیوی عام اور روزمرہ کے گھریلو معاملات حتیٰ کہ بچے کو دودھ پلانے اور چھڑانے تک کے معاملے میں باہم مشورہ کر کے فیصلہ کریں۔ ارشاد ربانی ہے:
>
> فان ارادا فصالاً عن تراضٍ منهما و تشاور
>
> جب میاں بیوی آپس کی رضامندی اور مشورے سے بچے کا دودھ چھڑانا چاہیں تو وہ ایسا کر سکتے ہیں۔
>
> اس چھوٹے سے گھریلو مسئلے میں بھی کسی ایک (ماں یا باپ) کو اپنے طور پر فیصلہ کرنے کی اجازت نہیں دی گئی، بل کہ آپس میں مشورے کا حکم دیا گیا۔
>
> رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ایک ایسے مکمل نظام حیات کی تشکیل و تکمیل تھا جس کی روح شوریٰ ہو۔ صحابہ کرامؓ آپ کے ہر فیصلے، کام اور حکم پر غور کرنا، اس پر عمل کرنا اور اسے دوسروں کے لیے بیان کرنا اسی لیے ضروری سمجھتے تھے کہ اسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شریعت کا دوسرا بڑا ماخذ و مصدر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام نے شوریٰ کے بارے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طرز عمل کی تمام ضروری تفصیلات بیان کی ہیں۔ ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ مشورہ کرنے والا کسی اور فرد کو نہیں دیکھا۔

ما رایت احداً اکثر مشورۃ لاصحابہ من رسول اللہ ﷺ

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام سے اتنا مشورہ کیوں کیا کرتے تھے؟ کیا آپ نعوذ باللہ دوسروں کے مشوروں کے محتاج تھے؟ ایسا فرد جس کے پاس حکمت و دانائی کے سرچشمے ہوں، جو اللہ تعالی سے بہ راہ راست ہدایت پاتا ہو، اور جس کو اولین و آخرین کے علوم کے خزینے عطا ہوئے ہوں، اس کو کیا کوئی مشورہ دے گا۔ لیکن آپ ﷺ کو دراصل اپنے لوگوں کی تربیت کرنا اور لوگوں کا مزاج بنانا مطلوب تھا۔ آپ مسلمان قوم کا ایسا خمیر بنانا چاہتے تھے جس میں لوگوں کے مزاج اور فطرت میں یہ بات شامل ہوجائے کہ وہ سب کے ساتھ مل جل کر رہیں اور ہر شخص کی رائے کو مناسب اہمیت حاصل ہو۔ امت کی بھلائی کے معاملات میں خود لوگ آگے بڑھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

ما خاب من استخار و لا ندم من استشار

جو اللہ سے خیر طلب کرتا ہے یعنی استخارہ کرتا ہے، وہ کبھی ناکام نہیں رہتا اور جو مشورہ کرتا ہے وہ کبھی پشیمان نہیں ہوتا۔(۱)

جہاد کے اسلامی تصور کو رسول اکرم ﷺ کے عمل سے منسلک کر کے ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمہ اللہ یوں نتائج اخذ کرتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقصد جنگ پر بار بار زور دیا اور یہ ذہن نشین کرایا کہ مقصد جنگ نہ توسیع پسندی ہے اور نہ مقصد جنگ کسی فرد کی ذاتی خواہش کی تکمیل ہی، جہاد کا اولین و آخرین مقصد صرف اور صرف اسلامی دعوت کی تکمیل اور اس کے لیے اسباب فراہم کرنا ہے، اگر دعوت کے اسباب موجود ہیں اور اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے، مسلمانوں پر کہیں بھی مظالم نہیں ہو رہے اور وہ دنیا میں ہر جگہ اپنے دین کے تقاضوں کے مطابق زندگی گزارنے میں آزاد ہیں تو اس

۱۔ غازی، محمود احمد، ڈاکٹر۔ اسلام کا قانون بین الممالک۔ اسلام آباد، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد ۲۰۰۷ء: قانون بین الممالک: ص ۲۴۰۔۲۴۱

صورت میں تلوار اٹھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم دشمن سے مڈبھیڑ کی ازخود تمنا اور خواہش نہ کرو اور اللہ سے عافیت ہی کی دعا کرو، یعنی لا تتمنوا لقاء العدو واسالوا اللہ العافیۃ (۱) دنیا کے بعض مذاہب میں رحمت اور محبت پر بڑا زور دیا جاتا ہے، لیکن اسلام کے تصور جنگ میں تلوار اٹھانا بھی اسی محبت و رحمت ہی کا ایک شعبہ ہے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انا الضحوک القتال(۲) یعنی میں جہاں انسانوں کے لیے مسکراہٹیں لے کر آیا ہوں وہاں تلوار بھی لے کر آیا ہوں۔ جن لوگوں کے لیے تلوار اٹھانا چاہیے ان کے خلاف تلوار اٹھاتا ہوں اور جن لوگوں کے لیے مسکراہٹیں بکھیرنے کی ضرورت ہے ان کے لیے میرے پاس محبت و رحمت ہے۔ غلط کار اور نیکوکار کو ایک لاٹھی سے ہانکنا عدل کے خلاف ہے۔ ایک اور موقع پر فرمایا: اذا ذبحتم فاحسنوا الذبحۃ واذا قتلتم فاحسنوا القتلۃ (جب جانور کو ذبح کرو تو اس طرح اس طرح اچھے طریقے سے ذبح کرو کہ اس کو کم سے کم تکلیف ہو۔ اور جب تم دشمن کو قتل کرنے لگو تو اس انداز سے قتل کرو کہ اسے کم سے کم تکلیف ہو)۔ دشمن کو تکلیفیں پہنچانا مقصود نہیں، بل کہ اس کی قوت کو توڑنا مطلوب ہے۔ (۳)

ہجرت کے اسلامی تصور کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کی روشنی میں بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ہجرت کے ان ہی اسباب و نتائج کو سامنے رکھتے ہوئے ہجرت کو اسلامی کیلنڈر کا نقطہ آغاز قرار دیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی بار فرمایا کہ اگر ہجرت نہ ہوتی تو

۱۔ صحیح بخاری: کتاب الجہاد والسیرہ، باب کان النبی اذا لم یقاتل اول النہا: ج ۳، رقم ۱۰۸۲۔ صحیح مسلم: کتاب الجہاد والسیر، باب کراہۃ تمنی لقاء العدو: ج ۳، رقم ۱۳۶۲

۲۔ تفسیر ابن کثیر: التوبہ: ج ۲، ص ۵۲۸

۳۔ اسلام کا قانون بین الممالک: ص ۳۷۱۔ ۳۷۲

میں اپنے آپ کو انصاری کہلاتا، ایک تو اس لیے کہ آپ ننھیال کی طرف سے انصاری تھے، دوسرے یہ کہ انصاریوں نے مدد بھی اس طرح بے نظیر اور بے مثال انداز سے کی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہمیشہ ان کے احسانات کا تذکرہ فرماتے رہتے تھے۔ لیکن ہجرت کی فضیلت اس قدر زیادہ اور غیر معمولی ہے کہ اس فضیلت کی موجودگی میں کسی اور فضیلت پر فخر نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مہاجر کہلانا ہی پسند کیا۔ ایک موقع پر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر ہجرت کی فضیلت نہ ہوتی تو مکے کو چھوڑ کر میں کبھی اس سے باہر نہ جاتا۔ پھر یہ بات بھی بڑی اہم ہے کہ ایک مرتبہ ہجرت کرکے آپ دوبارہ بھی فاتح کی حیثیت سے مکے واپس تشریف لائے۔ لیکن مکے کو پھر نہ اپنا وطن بنایا اور نہ اسلامی ریاست کا دارالحکومت قرار دیا۔ اگر ایسا کیا جاتا تو شاید ہجرت کی فضیلت بعد میں آنے والوں کی نظروں سے اوجھل ہوجاتی، اور جذبہ وطن دوستی پر فضیلت ہجرت قربان کرنے والوں کو ایک نظیر ہاتھ آجاتی۔ اس لیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ نے نہ فتح مکہ کے بعد وہاں قیام کا ارادہ فرمایا اور نہ اپنی اور نہ صحابہ اکرامؓ کی آبائی جائیداد سے کوئی سروکار رکھا، بل کہ یوں لگا جیسے فتح مکہ کا مقصد ہی اپنے مخالفین کو اپنی جائیدادیں بانٹنا ہو۔(۱)

یہ خطبات بھی زبانی دیے گئے، محاضر کے سامنے صرف چند نوٹس تھے، البتہ علمی نوعیت کے ان خطبات کو بعد میں تحریری مشکل دی گئی تو اس کے خطابی اسلوب کو کسی حد تک کتابی اسلوب میں تبدیل کیا گیا ہے، جس کا اندازہ مندرجہ اقتباسات سے ہوسکتا ہے۔

ان خطبات میں محض واقعات سیرت پیش کرنے پر اکتفا نہیں کیا گیا، بل کہ ان سے حاصل ہونے والے اسباق وثمرات کی جانب بھی متوجہ کیا گیا ہے۔ یہی اسلوب ان خطبات کو عصر حاضر کے زندہ لٹریچر کے طور پر پیش کرتا ہے ل اور یہی اس اسلوب اور ان خطبات کی اصل کامیابی ہے۔

۱۔ اسلام کا قانون بین الممالک: ص ۲۹۰۔۲۹۱

محاضرات سیرت

سلسلۂ محاضراتِ سیرت کی ایک اہم کڑی ڈاکٹر محمود احمد غازی کے محاضراتِ سیرت ہیں، جو اُنہوں نے ۲۴ جولائی سے ۱۵ اگست ۲۰۰۶ء تک اسلام آباد میں ادارہ تحقیقات اسلامی کے زیر اہتمام پیش کیے۔ یہ بارہ خطبات ہیں۔

اُن محاضرات کے عنوانات درج ذیل ہیں:

مطالعۂ سیرت کی ضرورت و اہمیت

سیرت اور علومِ سیرت، ایک تعارف

چند نامور سیرت نگار اور اہم کتبِ سیرت، ایک جائزہ

علمِ سیرت، آغاز، تدوین، ارتقا، توسیع

سیرت نگاری کے مناہج و اسالیب

ریاستِ مدینہ، دستور اور نظامِ حکومت

ریاستِ مدینہ، معاشرت اور معیشت

کلامیاتِ سیرت

فقہیاتِ سیرت

مطالعۂ سیرت، پاک و ہند میں

مطالعۂ سیرت، دورِ جدید میں

مطالعۂ سیرت، مستقبل کی ممکنہ جہتیں

ان عنوانات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جن محاضرات کا موضوع سیرت سے زیادہ فن سیرت ہے۔ اگر ان خطبات میں سیرت نگاری کے ساتھ ساتھ سیرت اور علوم سیرت پر بھی تفصیلی بحث موجود ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ فن سیرت، علوم سیرت اور سیرت نگاری کے حوالے سے یہ محاضرات خاص انفرادیت کے حامل ہیں۔ خصوصاً فقہیاتِ سیرت اور کلامیاتِ سیرت پر فاضل مقرر کی گفت گو مجتہدانہ بصیرت کی عکاس ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے سیرت نگاری کے اسلوب، مناہج اور خصائص پر بھی تفصیل سے گفت گو کی ہے اور بتایا ہے کہ سیرت نگاری نے

آغاز سے لے کر اردو سیرت نگاری تک کیا کیا مدارج طے کیے، اور کن کن مراحل سے گزر کر آج وہ ہم تک پہنچی ہے۔ ڈاکٹر صاحب چوں کہ علومِ اسلامی کی تاریخ کے ساتھ ساتھ علومِ قرآنی، علومِ حدیث، فقہ و اصول الفقہ، قانون بین الممالک وغیرہ علوم و فنون پر مجتہدانہ دست رس رکھتے تھے، اس بنا پر ان کے خطبات نہ صرف یہ کہ علومِ سیرت کا جامعیت سے احاطہ کرتے ہیں اور وہ فنِ سیرت کی ان پہلوؤں سے اپنے قارئین کو آگاہ کرتے ہیں جو ان سے قبل عام قارئین کی نظروں سے اوجھل تھے، بل کہ وہ دیگر علوم و فنون میں اپنی مہارت کو بھی فنِ سیرت کے بیان کے لیے استعمال کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ محاضراتِ سیرت میں جا بہ جا ہمیں تفسیر، حدیث، فقہ اور اصول الفقہ کے حوالے اور اصطلاحات نظر آتی ہیں۔

اسلوب کے لحاظ سے بھی ڈاکٹر غازی صاحب کے یہ خطبات ڈاکٹر حمید اللہ کے خطباتِ بہاول پور کی توسیع محسوس ہوتے ہیں، کیوں کہ ان میں ٹھوس علمی انداز اختیار کیا گیا ہے مگر اسلوب کی جاذبیت اور زبان کی چاشنی کی وجہ سے قاری کی دل چسپی نہ صرف یہ کہ آخر تک برقرار رہتی ہے بل کہ اس موضوع پر مزید پڑھنے کا رجحان اس میں بیدار ہوتا ہے۔

ان محاضرات میں ڈاکٹر صاحب نے بہت سے نئے نکات اٹھائے ہیں اور بہت سے نئے یا کم کم توجہ پانے والے پہلوؤں کو نمایاں کیا ہے۔ مثال کے طور پر کلامیات سیرت، فقہیات سیرت، روحانیات سیرت، لوک سیرت وغیرہ۔ یہ اصطلاحات یا تو محاضرات سیرت میں پہلی بار استعمال ہوئی ہیں، یا ان کا پہلی بار اس انداز سے بھرپور تعارف کرایا گیا ہے، کہ ان لے مطالعے میں ایک نیا پن در آیا ہے۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی کے محاضرات سیرت کی یہ انفرادیت ہے۔

محاضرات سیرت کے آٹھویں خطبے کلامیات سیرت میں ایک ایک مقام پر تصور نبوت کے حوالے سے فرماتے ہیں:

> نبوت اور تصور نبوت کا سیرت سے ایک اور تعلق بھی ہے۔ اس کو سیرت نگاروں نے سمجھا اور اس کو سیرت کی کتابوں میں ظاہر بھی کیا۔ وہ یہ کہ سابقہ انبیا کا سلسلہ نبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کی تمہید ہے۔ آپ سے پہلے جتنے بھی انبیا گزرے ہیں، جن کے بارے میں میں نے عرض کیا کہ They were all

Muhammad in the making. وہ رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کے لیے اسٹیج تیار کرنے کے لیے بھیجے گئے۔ مختلف اقوام کو اس دینی ،فکری ، ذہنی اور روحانی سطح پر لانے کے لیے بھیجے گئے تھے جس سطح پر رسول اللہ ﷺ کو بھیجا جانا تھا۔ اسی لیے تمام بڑے اور قدیم سیرت نگاروں نے پچھلے انبیا اور نبوتوں کے تذکرے سے سیرت کا بیان شروع کیا ہے۔ کسی نے حضرت آدم سے شروع کیا۔ کسی نے حضرت ابراہیم سے شروع کیا۔ کسی نے حضرت اسماعیل سے شروع کیا۔ سابقہ انبیا کا تذکرہ تمام سیرت نگار عروہ بن زبیر کے زمانے سے لے کر ہمارے دور کے سیرت نگاروں تک سب کرتے چلے آرہے ہیں۔ ماضی قریب کے بھی ہر قابل ذکر سیرت نگار نے سلسلۂ نبوت کو سیرت کا مقدمہ اور تمہید ہی سمجھا ہے۔ یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ سلسلہ نبوت ، منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین سیرت النبی کا مقدمہ اور تمہید تھے اور اس ضروری مقدمے اور تمہید کو سمجھے بغیر سیرت النبی کو سمجھنے کی کوشش کرنا مقام نبوت کی فہم میں ممدومعاون نہیں ہوسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ دلائل نبوت اور کلامیات سیرت علم سیرت کا ایک لازمی حصہ قرار پائے۔(۱)

ڈاکٹر صاحب کے محاضرات پر تفصیل سے روشنی ڈالنے کی ضرورت ہے،مگر یہاں ہم صرف اسالیب کی بحث کے حوالے سے چند مباحث اور ان مباحث سے متعلق چند اشاروں پر ہی اکتفا کررہے ہیں۔ محاضرات سیرت میں آخری خطبہ نہایت اہمیت کا حامل ہے، اور ڈاکٹر صاحب کی بصیرت کا ثبوت بھی۔ نیز اس کے مطالعے سے یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ ایک محقق، مفکر اور استاد کو کس طرح سوچنا چاہیے اور مستقبل کے بارے میں اپنے قارئین اور سامعین کو کیسے تیار کرنا چاہیے۔ اس خطبے میں ڈاکٹر صاحب نے اپنی فہم اور فکر کے مطابق ان امکانات کی نشان دہی کی ہے، جو سیرت نگاری کے منظرنامے پر مستقبل میں طلوع ہوسکتے ہیں، یا جن کی جانب اہل تحقیق کو توجہ کرنی چاہیے۔ ان میں خاص طور پر اجتماعیات سیرت، سیاسیات سیرت

۱۔ غازی، محمود احمد، ڈاکٹر۔ محاضرات سیرت۔ لاہور، الفیصل ۲۰۰۹ء: ص ۷۵۴

اور معاشیات سیرت کے ساتھ ساتھ مستقبلیات سیرت شامل ہیں۔ اہل علم جانتے ہیں کہ دنیا بھر میں عرصے سے مستقبلیات ایک مستقل مضمون کے طور پر متعارف ہے، گوکہ یہ ہمارے ہاں آج بھی قدرے جدید عنوان ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس عنوان کو سیرت طیبہ سے منسلک کر کے فن سیرت کو ایک اور جہت سے معنویت دی ہے۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

ایک اور پہلو جس پر کبھی کبھی خیال ہوتا ہے کہ کام ہونا چاہیے، وہ مستقبلیات سیرت کا ہے۔ صحیح مسلم کی ایک بہت غیر معمولی روایت ہے۔ حضور کا ہر ارشاد بہت غیر معمولی ہے۔ لیکن یہ اس اعتبار سے غیر معمولی ہے کہ اس میں بعض بہت عجیب باتیں بیان فرمائی گئی ہیں جو پہلے لوگوں کے علم میں نہیں تھیں اور آج بھی بہت سے لوگوں کی توجہ اس پر نہیں ہے۔ بعض احادیث میں اہل مغرب پر تبصرے کئے گئے ہیں۔ اُس زمانے میں اہل مغرب کو یا تو اہل روم کہا جاتا تھا یا بنی الاصفر کہا جاتا تھا۔ عام اسلامی اصطلاح ان کے لیے بنی الاصفر تھی یعنی زرد قوم کی اولاد۔ بنی الاصفر سے مراد ہوتی تھی، اہل یورپ اور خاص طور سے رومنز۔ یہ اصطلاح احادیث میں ملتی ہے۔

امام مسلم نے ایک روایت بیان کی ہے کہ حضرت عمرو بن العاص ایک جگہ تشریف فرما تھے۔ حضور کے ایک اور صحابی آپ کے پاس تشریف لے آئے۔ دوران گفت گو انہوں نے یہ بیان فرمایا کہ سمعت رسول اللہ ﷺ یقول، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے کہ تقوم الساعۃ والروم اکثر الناس کہ جب قیامت قائم ہوگی تو دنیا میں رومیوں کی کثرت ہوجائے گی یعنی اہل یورپ کی کثرت ہوجائے گی۔ یہ کثرت تعداد کی بھی ہوسکتی ہے اور وسائل کے اعتبار سے بھی ہوسکتی ہے۔ کثرت وسائل کے اعتبار سے بھی ہوسکتی ہے اور کمیت کے اعتبار سے بھی ہوسکتی ہے۔ اثر رسوخ کے اعتبار سے بھی ہوسکتی ہے اور زور اور طاقت کے اعتبار سے بھی ہوسکتی ہے۔ حدیث کے الفاظ میں سب کی گنجائش ہے۔ کس طرح کی کثرت ہوگی یہ ہم نہیں کہہ سکتے۔ لیکن کثرت کے بعض نمونے ہمارے سامنے ہیں۔ بعض شواہد اور مظاہر ہم دیکھ بھی رہے ہیں۔

حضرت عمرو بن العاص نے حدیث سن کر فرمایا کہ ابصر ماتقول، دیکھو، کیا کہہ رہے ہو؟ انہوں نے جواب میں کہا کہ اقول ماسمعت من رسول اللہ ﷺ میں وہی بات کہہ رہا ہوں جو میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنی۔ انہوں نے دوبارہ اس بات کو دہرایا۔ اس پر حضرت عمرو بن العاص نے کہا کہ اچھا اگر تم نے یہ کہا ہے تو پھر میری بات بھی سنو۔ یاد رہے کہ حضرت عمرو بن العاص کا شمار عرب کے چار عقل مند ترین انسانوں میں ہوتا تھا۔ چار آدمیوں کو دہاۃ العرب کہا جاتا تھا کہ عرب کے داہیہ ہیں۔ داہیہ بڑے غیر معمولی عقل مند اور ذہین انسان کو کہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ لان قلت ذالک، اگر تم نے یہ بات کہی ہے تو یاد رکھو، ان فیہم لخصالا اربعا، اہل روم میں چار خصوصیات ہیں۔ اس لیے وہ اکثر الناس ہو جائیں گے۔ انہم احلم الناس عند فتنۃ جب وہ کسی فتنے کا شکار ہوتے ہیں تو بہت ٹھہراؤ کے ساتھ اس کا مقابلہ کرتے ہیں۔ حوصلہ نہیں ہارتے۔ واسرعہم افاقۃ بعد مصیبۃ، جب کسی مصیبت کا شکار ہوتے ہیں تو بہت جلدی اس کے اثر سے نکل آتے ہیں۔ واوشکہم کرۃ بعد فرۃ، اور اگر کسی جنگ میں شکست ہو جائے تو بہت جلد دوبارہ حملے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ وخیرہم لمسکین و یتیم و ضعیف، اور اپنے مسکین، ضعیف اور یتیم کے ساتھ بہت اچھا سلوک کرتے ہیں۔ وخامسہم حسنۃ جمیلۃ، پانچویں ایک بڑی خوبی یہ ہے وامنہم من ظلم الملوک اور بادشاہوں کو ظلم سے روکنے کے لیے ہر وقت آمادہ رہتے ہیں۔ یہ حضرت عمرو بن العاص نے فرمایا ہے اور صحیح مسلم میں روایت ہوا ہے۔ اس طرح کے بے شمار تبصرے ہیں جو احادیث میں اہل یورپ اور مغرب کے بارے میں ملتے ہیں۔ ان سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام بھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اہل مغرب کی اس اہمیت سے واقف تھے اور اس سے مسلمانوں کو وقتاً فوقتاً متنبہ بھی کرتے رہتے

تھے۔(۱)

محاضرات سیرت میں شامل آٹھواں خطبہ کلامیات سیرت کے عنوان سے ہے، یہ عنوان ہی ندرت کا حامل نہیں، اس خطبے کے مندرجات بھی خصوصاً علم سیرت کے حوالے سے ندرت و امتیاز رکھتے ہیں۔ اس خطبے میں ایک مقام پر معجزے کے حوالے سے متکلمین کے افکار بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> اس لیے معجزے کے حوالے سے متکلمین نے تین نوعیت کے انسانوں کا تذکرہ کیا ہے۔ کچھ انسان تو وہ ہوتے ہیں جو ہر نبی کے ساتھیوں میں سابقون الاولون میں شمار ہوتے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سعید روح، سلیم عقل وطبیعت لے کر آتے ہیں اور وہ نبی کی شخصیت اور کردار کو ہی اصل معجزہ سمجھتے ہیں۔ ان میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ نبی کے اعلیٰ مقام اور مرتبے کا اندازہ کر سکیں۔ اس کے کردار اور شخصیت کی بنیاد پر یہ فیصلہ کریں کہ یہ شخص غلط بیانی نہیں کر سکتا اور جو دعویٰ اس نے کیا ہے یہ صداقت اور حق پر مبنی ہے۔ اس لیے جوں ہی وہ اس کے منہ سے پیغام نبوت کو سنتے ہیں تو وہ فوراً دعوت کو قبول کر لیتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے بارہ میں ایک سیرت نگار نے لکھا ہے کہ دراصل نبوت کا ادراک کرنے کا واحد اور حقیقی راستہ ذوق سلیم یعنی فطرت سلیمہ ہے۔
>
> دوسرے وہ لوگ ہیں جو اندر سے نفرت اور دشمنی کا ایک رویہ رکھتے ہیں اور ان کو چاہے ہزار معجزات دکھائے جائیں وہ نبوت کی صداقت پر ایمان نہیں لاتے۔ کسی ذاتی مفاد، تعصب یا کسی بھی وجہ سے ان کے لیے معجزہ کا ہونا نہ ہونا بے کار ہے۔
>
> ان دونوں کے علاوہ انسانوں کا ایک طبقہ اور ہوتا ہے اور یہ تعداد میں زیادہ ہوتا ہے۔ یہ لوگ متامل اور متردد ہوتے ہیں اور معجزہ دیکھنے کے بعد ان کی آنکھ پر پڑا ہوا پردہ ہٹ جاتا ہے اور وہ نبوت کی صداقت پر ایمان لے آتے ہیں۔ یا

۱۔ محاضرات سیرت: ص ۴۴۷

کچھ لوگ جو دل سے ایمان لا چکے ہوتے ہیں لیکن کسی وجہ سے ایک حد میں رہتے ہیں اور قریب نہیں آتے۔ وہ معجزہ دیکھتے ہیں تو ان کے ایمان میں پختگی آجاتی ہے اور وہ گم راہ ہونے اور کسی شک میں مبتلا ہونے سے بچ جاتے ہیں۔ اس لیے معجزے کے اصل مخاطب تیسرے طبقے کے لوگ ہیں جو معجزے سے ایمان کی کمزوری کا علاج حاصل کر لیتے ہیں۔

جو باکردار، سعید اور سمجھ دار لوگ ہوتے ہیں ان کے لیے اصل معجزہ پیغمبر کی بلند شخصیت اور کردار اور خود ماننے والے کی سلامت طبع ہوتا ہے۔ انسان اگر سلیم الطبع ہو تو اس کے اندر سے اس کی روح اور قلب گواہی دیتے ہیں کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا ہے۔ ہر انسان ماں کو ماں اور باپ کو باپ مانتا ہے۔ اور بغیر کسی ظاہری دلیل کے مانتا ہے۔ ڈی این اے ٹسٹ تو اب ہونے لگے ہیں۔ یہ بھی ہر ایک کے پاس نہیں ہوتے۔ لیکن اندر سے ہر انسان کی روح اور اس کا دل گواہی دیتا ہے کہ یہ میرے ماں باپ ہیں۔ اس کے لیے کوئی عقلی ثبوت اور دستاویزی ثبوت کبھی کسی نے نہیں مانگا۔ اگر کسی سے ماں باپ کے بارے میں گواہی مانگی جائے تو وہ شاید لڑنے مرنے کے لیے تیار ہو جائے۔ اس لیے کہ اندر قلب سلیم ہے اور جس محترم خاتون کے ساتھ وہ سال ہا سال بیٹا بن کر رہا ہے جس کی بنیاد پر اس کو وہ ماں مانتا ہے۔ اسی طرح کی ایک قلبی اور داخلی بنیاد پر ایک سعید روح پیغمبر کو پیغمبر مانتی چلی آرہی ہے۔ ماننے والے اس زمانے میں بھی مانتے تھے اور آج بھی مانتے ہیں۔ اسی لیے پیغمبروں نے ہمیشہ اپنی شخصیت اور کردار کو اپنی پیغمبری کے دلیل کے طور پر سب سے پہلے پیش کیا۔ وقد لبیث فیکم عمراً من قبلہ، میں ایک طویل عمر تک تمہارے درمیان رہا ہوں۔ میرا پورا کردار اور رویہ تمہارے سامنے ہے۔ تم اس کو دیکھ سکتے ہو۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو معجزے پیش فرمائے وہ کسی تحدی کے جواب میں نہیں ہوتے تھے۔ البتہ اگر کسی سوال کے جواب میں معجزہ پیش کیا تو قرآن پاک کو پیش کیا۔ اس کے علاوہ وقتاً فوقتاً جو معجزات حضور ﷺ کی ذات پر ظاہر

ہوئے وہ کسی خاص سیاق وسباق میں اللہ تعالیٰ نے آپ پر جاری فرمادیے۔(۱)

کلامیات سیرت کی طرح فقہیات سیرت کا عنوان بھی امتیازی اور انفرادی شان کا حامل ہے، محاضرات کے اس سلسلے میں نواں خطبہ اسی عنوان پر مشتمل ہے۔ اس خطبے میں ڈاکٹر صاحب نے فقہیات سیرت کی تعریف بھی متعین فرمائی ہے، حدود بھی ذکر کی ہیں، اوراس کے اطراف وجوانب کو بھی بیان کیا ہے، اوراپنے بیان کے ہر پہلو کو مثال دے کر واضح کرنے کی بھی سعی فرمائی ہے۔ فقہیات سیرت کے بڑے عنوان کو بیان کرتے ہوئے آپ اس کی تفصیل اس طرح پیش کرتے ہیں:

فقہیات سیرت کو تین بڑے حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ فقہیات سیرت کا ایک حصہ تو وہ اصول اور قواعد ہیں جو اکابر اسلام نے خود احادیث اور سیرت کی روشنی میں متعین فرمائے ہیں، جن کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات، احادیث مبارکہ اور سیرت کے واقعات کو نہ صرف سمجھا جانا چاہیے بل کہ ان اصولوں کی روشنی میں ان احکام کی تطبیق اور موجودہ دور کے واقعات اور مسائل واحکام کا ان کی روشنی میں تعین کیا جانا چاہئے۔ یہ بڑے بڑے اصول صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے زمانے سے زیر غور آرہے ہیں۔ ان پر فقہائے اسلام نے اور شریعت کے ماہرین نے بہت تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

۲۔ فقہیات سیرت کا دوسرا بڑا میدان وہ واقعات یا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وہ ارشادات ہیں جن کی فقہی تعبیر کے بغیر، یعنی ان کو فقہی نقطہ نظر سے سمجھے بغیر سیرت کے ان احکام کی تعبیر کرنا بہت مشکل ہے۔ چند روز پہلے ایک گفت گو میں میں نے حج کی مثال دی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے جب حج ادا فرمایا۔ اس کو ایک لاکھ بیس ہزار سے زائد صحابہ کرام نے دیکھا۔ اس کی تفصیلات تابعین کو پہنچائیں۔ لیکن دیکھنے والوں کی اس کثرت کے باوجود، راویوں کے اس عظیم

۱۔ محاضرات سیرت: ص ۴۹۱۔ ۴۹۲

الشان جم غفیر کے باوجود، یہ بات مختلف فیہ رہی کہ رسول اللہ ﷺ نے جو حج فرمایا تھا، وہ حج قران تھا، حج تمتع تھا یا حج افراد تھا۔ تینوں صورتوں کے احکام الگ الگ ہیں۔ اب ان تینوں میں کون سی قسم سنت کے زیادہ قریب ہے، کون سی قسم افضل ہے؟ یہ فقہ کا مسئلہ بھی ہے اور سیرت کا مسئلہ بھی۔

رسول اللہ ﷺ کے حج کی تفصیلات کے لیے فقہی احکام جاننا ضروری ہے۔ اس طرح فقہی احکام جاننے کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس حج کی تفصیلات جاننا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شروع دن سے فقہائے اسلام، محدثین اور ارباب سیرت سب رسول اللہ ﷺ کے حج سے متعلق احادیث اور تفصیلات کو جمع کرنے، ان پر غور وحوض کرنے، ان سے نئے نئے نتائج اور مسائل کا استنباط اور استدلال کرنے میں مصروف رہے۔ اس موضوع پر بہت سی کتابیں دستیاب ہیں۔ ہر محدث نے، ہر فقیہ اور ہر سیرت نگار نے رسول اللہ ﷺ کے اس حج کی تفصیلات کو ایک نئے انداز سے جمع کرنے کی کوشش کی۔ یہ فقہیات سیرت کا دوسرا میدان ہے۔

۳۔ فقہیات سیرت کا تیسرا بڑا میدان بہت دل چسپ بھی ہے اور اہم بھی۔ وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے مختلف ارشادات اور فیصلوں کو فقہائے اسلام نے مختلف زمروں میں مرتب کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی اولین اور سب سے بڑی حیثیت یہ ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ کی مرضی کے ترجمان ہیں۔ حامل وحی ہیں اور آخری شریعت کا عطا فرمانے والے ہیں۔ اس لیے حضور نے جو کچھ فرمایا وہ اللہ کی رہ نمائی میں فرمایا۔ **وماینطق عن الھویٰ ان ہو الاّ وحی یوحی**، وہ کوئی لفظ اپنی زبان سے خواہش نفس کے داعیہ سے نہیں نکالتے، بل کہ جو کچھ بولتے ہیں وہ اللہ کی وحی ہوتی ہے۔ اس کے باوجود کہ جو کچھ حضور فرماتے ہیں وہ اللہ کی وحی ہوتی ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارکہ سے بہت سے وہ الفاظ بھی نکلتے تھے جو انسانوں کے مابین عام بول چال میں استعمال ہوتے ہیں۔ صحابہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہماری مجلس

میں تشریف لاتے تھے، اور ہمیں دیکھتے تھے کہ ہم شعر و شاعری کے بارے میں باتیں کررہے ہیں تو آپ ﷺ ہماری گفت گو میں شریک ہوجایا کرتے تھے۔ آپ دیکھتے تھے کہ ہم پرانے واقعات اور ایام العرب کو بیان کررہے ہیں تو آپ اس میں بھی ہمارے ساتھ شامل ہوجایا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے کبھی بھی کسی کے ذوق، مزاج اور کسی کے انداز کو زبردستی بدلنے کی اور ایک مصنوعی یا متصنعانہ مذہبیت کو مسلط کرنے کی کوشش نہیں کی۔ حضور کی محفل میں لوگ خود بہ خود اس رنگ میں رنگ جایا کرتے تھے جو رسول اللہ ﷺ کا رنگ تھا۔(۱)

ان اقتباسات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کا اندازہ اور اسلوب کس قدر رواں ہے، اور مشکل ابحاث بھی وہ کس خوش اسلوبی سے سادہ زبان میں پیش فرمادیتے ہیں۔ نیز فن پر ان کی گرفت کس قدر ہے کہ ماضی سے بھرپور واقفیت کے بغیر مستقبل کے امکانات کی نشان دہی ممکن نہیں۔

سیرتِ طیبہ کے مختلف موضوعات پر ڈاکٹر محمود احمد غازی کے مزید خطبات بھی اہمیت کے حامل ہیں، جن میں مطالعۂ سیرت اور مستشرقین کے عنوان سے دیا گیا خطبہ نہایت اہم ہے، یہ خطبہ اپنے انتقال سے کوئی دو ماہ قبل دارالعلم والتحقیق کے زیرِ اہتمام چوتھے مولانا سید زوار حسین یادگاری خطبے کے طور پر ارشاد فرمایا تھا اور ضروری نظرِ ثانی کے بعد ششماہی السیرۃ کے ۲۵ ویں شمارے کے گوشۂ ڈاکٹر محمود احمد غازی کا حصہ ہے۔ نیز خطبات کراچی کی جلد اول میں بھی شائع ہوچکا ہے۔(۲) اس کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر صاحب کے محاضرات اور مقالات کے مجموعے محاضرات علمی کی ایک جلد بھی سیرت اور متعلقات سیرت کے حوالے سے ہے، اور اس میں سیرت طیبہ پر بارہ مضامین شامل ہیں۔ لیکن یہ کسی سیریز کا حصہ نہیں رہے، بل کہ یہ خطبات

۱۔ محاضرات سیرت: ص ۵۴۳۔ ۵۴۴

۲۔ یہ خطبہ الگ سے کتابی صورت میں بھی شائع ہوچکا ہے۔ ملاحظہ ہو: ڈاکٹر محمود احمد غازی۔ خطبات کراچی۔ ترتیب: سید عزیز الرحمٰن۔ کراچی زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء۔ ص ۲۴۷

اور محاضرات مختلف اوقات میں مختلف مقامات پر دیے گئے، جنہیں بعد میں اس عنوان کے تحت یک جا کر دیا گیا ہے، اور محاضرات علمی کی سریز کا حصہ بنا دیا گیا ہے۔(۱)

ڈاکٹر محمد یاسین مظہر صدیقی

ڈاکٹر صاحب قدیم و جدید پر عبور رکھنے کے ساتھ ساتھ برصغیر پاک و ہند کی ان چند شخصیات میں شامل تھے، جن کا اختصاص ہی سیرت طیبہ ہے، گوکہ انہوں نے دوسرے مضامین میں بھی اپنے نقوش یادگار چھوڑے ہیں، اور آج کی دنیائے سیرت میں شاید سب سے توانا اور سیال قلم آپ ہی کا ہے، کہ آپ کے برابر یا مقابل اس وقت موجود اہل علم میں کوئی دوسرا دکھائی نہیں دیتا۔ آپ نے سیرت طیبہ پر نت نئے عنوانات کے تحت داد تحقیق دی ہے، اس کے ساتھ ساتھ آپ نے متعدد حوالوں سے متعدد مقامات پر محاضرات سیرت بھی عطا کیے ہیں، جو مختلف موضوعاتی عناوین کے تحت کتابی صورت میں شائع ہو چکے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب حال ہی میں ۱۵ ستمبر ۲۰۲۰ء کو علالت کے بعد علی گڑھ میں انتقال کر گئے۔ ہم ذیل میں ان خطبات کا الگ الگ ذکر کریں گے، اور ان کے مباحث کا تعارف پیش کریں گے۔

مکی اسوۂ نبوی

ان میں تاریخی ترتیب کے مطابق سب سے پہلے ''مکی اسوۂ نبوی'' کے نام سے شائع شدہ آپ کے آٹھ خطبات ہیں۔ یہ خطبات اولاً ۲۰۰۵ء میں انڈیا سے چھپے، پھر ''القلم'' کے تحت ہم نے کراچی سے آپ کی اجازت سے ۲۰۰۷ء میں شائع کیے۔ بعد میں کراچی ہی کے ایک ادارے معارف اسلامی نے بغیر اجازت اس کتاب کی اشاعت کا اہتمام کیا۔ یہ خطبات حیدر آباد دکن، انڈیا میں دیے گئے، اور اس سلسلے کا عنوان خطبات حیدر آباد ہی تجویز ہوا۔

ان میں سے پہلے سات خطبات ۱۶ تا ۱۹ جولائی ۲۰۰۳ء خاص اسی اندرا پریہ درشنی ہال میں دیے گئے، جہاں اس سے عرصہ پہلے علامہ اقبال کے مشہور خطبات کا اہتمام ہوا تھا۔ اور

۱۔ محاضرات علمی، سیرت و متعلقات سیرت: ترتیب: سید عزیز الرحمٰن۔ کراچی، زوار اکیڈمی پبلی کیشنز ۲۰۱۹ء۔ ۳۵۱ ص

اس سلسلے کا آخری خطبہ ۲۰ جولائی ۲۰۰۳ء کو دارالعلوم سبیل السلام، حیدر آباد دکن میں دیا گیا۔ یہ خطبات دو اہم عنوانات کے گرد گھومتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی مکی زندگی اور اقلیتوں کے لیے اسوۂ نبوی۔

ان آٹھ خطبات کے عنوانات یہ ہیں:

۱۔ مکہ مکرمہ کا کثیر قومی معاشرہ

۲۔ مکی مسلم اقلیت کا ارتقا

۳۔ حبشی امت اسلامی

۴۔ مکی امت اسلامی کی تشکیل و تعمیل

۵۔ نظام مدافعت و حق تحفظ

۶۔ دفاعی معاہدے اور ہجرت

۷۔ مسلم اقلیتیں اسلامی ریاست کے قیام کے بعد

۸۔ معاصر مسلم اقلیتوں کے لیے لائحہ عمل۔

اپنے موضوع کے اعتبار سے شاید یہ اردو کیا کسی بھی زبان میں پہلی جامع کاوش قرار دیے جاسکتے ہیں۔ جن کے ذیلی عنوانات بھی دل چسپ اور معلومات افزا ہیں۔ مثلاً پہلے خطبے کے تحت آپ نے جہاں ایک جانب عرب قبائل کی تقسیم بیان کی ہے، وہیں غیر عرب عناصر کا بیان کر کے مکی سماج میں مذہبی کثرت کو پیش کیا ہے، پھر وہاں کی عمومی مذہبی حالت بیان کی ہے۔ اسی طرح دوسرے خطبے میں دعوت کے مختلف انداز واسالیب پر گفت گو فرمائی ہے، اور خاص طور پر اس ابتدائی عہد میں مکہ مکرمہ میں مساجد کی تفاصیل پیش کی ہیں، جو توجہ طلب ہیں۔ اور مکے میں اور بیرون مکہ مختلف اسلامی مراکز کی تفصیلات دی ہیں، جو ہر مسلم کے قاری کے لیے دل چسپی کا باعث ہیں۔ ان مراکز کے حوالے سے یثرب کی اہمیت اور وہاں مامور حضرات کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> یثرب میں ابھی تک مقامی مسلمان بالخصوص ان کے پرجوش سردار حضرت اسعد بن زرارہ خزرجیؓ مسلمانوں کی تنظیم و تعلیم و تربیت کے ذمے دار تھے، اور یہ خدمت انہوں نے ازخود قبول کر لی تھی۔ وہ ان کے ایک امام نماز بھی تھے اور

> سردارِ قوم بھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نمائندے کی حیثیت سے حضرت مصعب بن عمیر عبدری ؓ ایک طبقۂ انصار کے امام نماز و معلم دین بن گئے تھے۔ ان کو بہ ہر حال فوقیت حاصل تھی کہ وہ فرستادہ نبوی تھے۔ بیعت عقبہ ثانیہ میں مسلمانانِ مدینہ کی نئی تنظیم ہوئی جو ہر لحاظ سے منفرد، اہم اور دور رس نتائج و اثرات کی حامل تھی۔ یہ تنظیم معاشرہ بھی تھی، سیاسی و دینی تنظیم بھی تھی اور ایک مرکزِ اسلامی کی تشکیل و تعمیر بھی۔(۱)

یہ تمام خطبات تحریری صورت میں تھے، اسی لیے ان کا اسلوب بیان نہایت مربوط ہے اور یہ محاضرات تالیفی اسلوب کا لطف دیتے ہیں۔

خطبات سیرت۔ مصادر سیرت کا تجزیاتی مطالعہ

ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے زیر اہتمام ۲۵ مارچ ۲۰۰۱ء تا ۲۹ مارچ یونیورسٹی کے فیصل مسجد کیمپس میں ڈاکٹر صاحب کے یہ خطبات منعقد ہوئے۔ ان خطبات میں نو بنیادی عنوانات زیر بحث آئے، جنہیں بعد میں کتابی صورت میں نو ابواب میں مرتب کیا گیا ہے۔ یہ کتاب ۲۰۱۷ء میں منظر عام پر آئی۔ ان خطبات کے عنوانات ہیں:

۱۔ مصادر سیرت کا تنقیدی مطالعہ
۲۔ کتب سیرت کی تالیف کا واحد طریقہ
۳۔ نقد روایات ابن اسحاق و ابن ہشام
۴۔ قرآن مجید بہ طور ماخذ سیرت
۵۔ حدیث نبوی سے سیرت نگاری
۶۔ دوسرے مصادر سے اخذ روایات
۷۔ تجزیے و تحلیل کا مسئلہ
۸۔ روایتی یا فنی نقد و تجزیہ

۱۔ محمد یاسین مظہر صدیقی، ڈاکٹر۔ مکی اسوۂ نبوی۔ کراچی، القلم ۲۰۰۷ء: ص ۹۰

۹۔ تجزیاتی نگارش کے طریقے

بلا مبالغہ سیرت طیبہ کے یہ عنوانات اس اہتمام کے ساتھ پہلی بار اس بڑے پیمانے پر ان خطبات کے ذریعے ہی زیر بحث آئے ہیں۔ سیرت نگاری کے فنی مباحث کے حوالے سے اس کتاب کا یہ امتیازی پہلو ہے۔ اپنے مضامین، اسلوب اور طریق استدلال کے سبب یہ پوری کتاب اس قابل ہے کہ اس کو بار بار پڑھا جائے، اس لیے یہاں اس میں سے اقتباسات کیا پیش کیے جائیں۔

ڈاکٹر صاحب نے ان خطبات میں جہاں قدیم مصادر سے خوب استفادہ کیا ہے، وہیں جدید تحریریں بھی آپ کے پیش نظر رہی ہیں، چناں چہ ڈاکٹر حمید اللہ، اور ڈاکٹر محمود احمد غازی کی کتب کے حوالے کئی بار آئے ہیں۔ اس کتاب کا بڑا حصہ امام محمد بن اسحاق اور امام محمد بن عمر واقدی کی سیرت نگاری پر مشتمل ہے، یا پھر اردو میں علامہ شبلی اور مولانا کاندھلوی کی کتب کے حوالے زیادہ دیے گئے ہیں۔ خصوصاً تجزیے، نقد اور تحلیل میں ان کتب کو زیادہ پیش نظر رکھا گیا ہے۔ ان خطبات میں مختصرات سیرت کا عنوان بھی نمایاں ہے، جن پر ماضی میں ہمیں کوئی خاص میں کام نہیں ملتا۔ نیز بعد کے ادوار کے سیرت نگاروں کے ہاں متن سیرت میں کیا کیا اضافے ہیں۔ اس حوالے سے ان خطبات میں دل چسپ اشارے ملتے ہیں۔ ان خطبات میں نہ صرف اصول سیرت نگاری پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، بل کہ ماضی میں اس حوالے سے لکھے جانے والے مواد کا محاکمہ اور تجزیہ بھی کیا گیا ہے، یہ بات اس لیے بھی توجہ طلب ہے کہ یہ پہلو اہل تحقیق کی اب تک زیادہ توجہ حاصل نہیں کر سکا۔ یہ چند خوبیاں محض کتاب کے تعارف کی غرض سے تحریر کی گئی ہیں، ورنہ یہ درمیانے حجم کی کتاب خود اس قابل ہے کہ اس پر تفصیل سے لکھا جائے اور اس کے بیانات کا تفصیل کے ساتھ تجزیہ کیا جائے۔

متن کی بحث کرتے ہوئے امام محمد بن اسحاق کا اسلوب اس طرح بیان کرتے ہیں:

> کسی بھی متن میں صرف موضوع سے بہ راہ راست متعلق مواد لایا جاتا ہے اور سیرت و تاریخ میں وہ اور بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ امام سیرت ابن اسحاق بالعموم متن میں اپنے بیان و قول سے آغاز کرتے ہیں اور صرف ایک جملہ یا دو تین جملوں میں اصل موضوع پیش کر دیتے ہیں، جیسے ولادت نبوی کے بارے میں

ان کا بیان ہے یا اس کے بعد کے اہم واقعات وحوادث واحوال ہیں۔ ان کی تائید میں وہ بعض روایات لاتے ہیں جو اصل موضوع کے اثبات کے ساتھ دوسرے تاریخی واقعات اور واقعاتی شواہد سے ان کی مزید تصدیق وتائید کرتی ہیں۔ کبھی وہ اپنی سند سے متن بیان کرتے ہیں اور اس کو پورا کرنے کے بعد اس کا اختلاف وتنوع لاتے ہیں اور اس پر نقد واستدراک بھی کرتے جاتے ہیں۔ امام ابن اسحاق کے دوسرے متون سیرت میں یہی طریق کار ملتا ہے اور ان کے جامع ومرتب امام ابن ہشام نے بھی اپنے متون میں یہی کیا ہے۔ دوسرے قدیم مؤلفین میں واقدی، ابن سعد اور خاص کر امام طبری اسی طرح اصل واقعہ یا موضوع چند جملوں میں پیش کر کے تفصیل میں جاتے ہیں۔(۱)

خطبات سرگودھا

یہ خطبات بھی مکی عہد کے مطالعے پر مشتمل ہیں، مگر ان کا اسلوب اور ان کے موضوعات مکی اسوۂ نبوی سے مختلف ہیں۔ یہ دس خطبات ہیں، جو مارچ ۲۰۱۵ء میں یونیورسٹی آف سرگودھا میں پیش کیے گئے، یہاں روزانہ دو دو خطبات کا انعقاد ہوا۔

خطبات سرگودھا کے عنوانات یہ ہیں:

۱۔ مکی عہد نبوی کی تفہیم ونگارش، مولفین سیرت کے عجز وقصور کے اسباب

۲۔ قبل بعثت مکی حیات طیبہ کی اہمیت

۳۔ مکی عہد نبوی کے اہم ترین سنگ میل

۴۔ مکی دلائل نبوت ومعجزات

۵۔ مکی دور میں دین وشریعت اسلامی کا ارتقا

۶۔ اقتصادی ومعاشی زندگی

۷۔ مکی دور نبوی میں علوم اسلامیہ کا ارتقا

۱۔ محمد یاسین مظہر صدیقی، ڈاکٹر۔ خطبات سیرت۔ اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد ۲۰۱۷ء :ص ۱۸۴

۸۔ مکی تہذیب و تمدن

۹۔ تعمیر و فنِ تعمیر

۱۰۔ مکی دور میں علوم و فنون کا ارتقا

ان خطبات میں کچھ مباحث تو وہی ہیں جو مکی اسوۂ نبوی میں آچکے، لیکن بہت سی معلومات ان میں بالکل نئی ہیں، اور مکی حیات مبارکہ کے بہت سے پہلوؤں کے ساتھ ساتھ عربی معاشرے کے خدوخال بھی زیادہ وضاحت سے ان خطبات میں بیان ہوئے ہیں۔ ان میں مکہ مکرمہ کا تعلیمی، تہذیبی اور تمدنی پس منظر زیادہ اہم ہے۔ اسی طرح خطبہ اول میں ان بہت سے نظر انداز شدہ پہلوؤں کی بابت فاضل محقق نے ان اسباب کی نشان دہی کی ہے، جو اس کا سبب بنے، اور یوں سیرت نگاری کا سفر جاری ہے۔ اگلے لوگ اپنی بات بالفرض مکمل کر بھی جاتے تو بعد والوں کے لیے کیا گنجائش رہتی؟

چناں چہ چوتھے خطبے میں ڈاکٹر صاحب نے دلائل نبوت و معجزات کے اس حصے سے بحث کی ہے، جس کا تعلق مکی عہد سے ہے۔ چناں چہ عصمت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر گفت گو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> قبل بعثت جو حفاظت الٰہی کا تکوینی نظام ولادت سے بعثت تک شانِ عالی سے فروتر چیزوں سے محفوظ کرتا رہا وہ بعد نبوت عصمت کہلایا۔ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت متواترہ رہی ہے کہ وہ فرستادوں اور پیغمبروں کو معصوم بناتا ہے کہ وہ مرضی مولیٰ سے سرمو انحراف نہیں کرتے اور گناہ سے بچتے ہیں۔ ملائکہ اور خاص کر ملکوتی رسولِ وحی حضرت جبریلؑ کی عصمت و صیانت کی مختلف صفات و جہات قرآن مجید کی آیات کریمہ میں بیان کی گئی ہیں۔ ان کی امانت و دیانت، قوت و طاقت، عصمت و معصومیت کی جہات و صفات کا مقصود یہ تھا کہ جناب الٰہی سے قلب محمدی پر تنزیل قرآن و حدیث میں وہ کسی قسم کی کتر و بیونت نہیں کرتے اور ان کی ذاتی قوت و شوکت ایسی ہے کہ کوئی دوسرا طاقت ور ان پر حاوی ہو کر ان کی امانت میں خیانت نہیں کر سکتا۔ یہی ملکوتی عصمت بشری انبیائے کرام کو عطا ہوتی رہی کہ وہ بارگاہِ الٰہی سے آئے ہوئے کسی امر و حکم میں کمی بیشی نہیں کرتے اور نہ کوئی ان

سے کرواسکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی عصمت تکوینی کی اس جہت وصفت کو متعدد آیات قرآن کریم میں اور بہت سی احادیث شریفہ میں مسلسل مکی دور میں بیان کیا گیا ہے۔ کبھی یہ پیرایہ اختیار کیا گیا کہ آپ ﷺ اپنی ہوائے نفس سے کوئی نطق نہیں فرماتے اور جو زبان رسالت مآب سے نکلتا ہے وہ وحی ہوتی ہے جو من جانب اللہ آتی ہے۔ شیاطین الانس و الجن کی شیطنت بھری ملاوٹ اور اندرون میں کسی تمنا کی کاریگری ہوجاتی ہے تو اسے صاف کر کے خالص کلام و وحی الٰہی محفوظ کردی جاتی ہے۔ کبھی یہ اظہار بھی لایا جاتا ہے کہ قلب محمدی پر جبریلی واسطہ سے جو پیغام الٰہی اور امر ربانی اتارا جاتا ہے جو قلب مصفیٰ، مجلّا پر اترتا ہے جس کی تطہیر کی جاچکی۔ جسمانی اور روحانی دونوں لحاظ سے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تطہیر کامل اور تزکیہ شامل کا ایسا قطعی انتظام اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ خواہش نفس فنا ہوگئی تھی۔ عام طور سے عصمت نبوت کا یہ تصور ونظریہ پیش کیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ کو گناہوں کے ارتکاب سے محفوظ کردیا گیا تھا اور بشریت سے کوئی لغزش ہوتی تو اس کی فوری اصلاح کی جاتی اور شائبہ لغزش محو کر کے خالص وحی و امر الٰہی باقی رہ جاتا۔ یہ محدود انسانی فکر و فلسفہ کا زائیدہ نظریہ وخیال ہے اور فروتر بھی۔ رسول اللہ ﷺ کے معصوم عن الخطا اور عصمت نبوت کا اصل تصور وفکر یہ ہے کہ آپ ہر طرح سے محفوظ ومعصوم بنائے گئے تھے، گناہ کا ارتکاب تو دور کی چیز تھی اس کا خیال بھی حاشیہ خاطر میں نہ آتا اور گناہ، منکر وشر کا سوال کیا پیدا ہوتا۔ آپ کا دل وجگر، جسم وبدن اور ذہن ودماغ کسی فرو ترشے کے خیال سے اور اعضا و جوارح کے ذریعے اس کے ارتکاب کے ارادے سے محفوظ کردیا گیا تھا۔ بشریت کے تقاضوں کے سفلی پہلو کو علوی جہت کے تابع ہی نہیں کردیا گیا تھا بلکہ اسے رسول بشر کی عظیم ترین بلندی ورفعت عطا

کی گئی تھی جس پر ملائکہ رشک کرتے اور خالق ارض وسما فخر فرماتا ہے۔(۱)

جب کہ پانچویں خطبے میں ڈاکٹر صاحب عربوں کے ہاں شعروادب کی روایت سے بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

بہ قول شخصے شعروادب قریش مکہ اور عرب جاہلی کی گھٹی میں پڑا تھا، بچہ پالنے سے بلونا سیکھتا اور جلد ہی اپنی عربی زبان پر قابو پالیتا اور لڑکپن ونوجوانی تک آتے آتے وہ فصاحت وبلاغت کے شہپاروں کا حافظ وماہر بن جاتا تھا۔شہری عربوں (اہل الحضارۃ) سے زیادہ بدوی عرب (اصل البداوۃ) فصیح وبلیغ زبانوں بولتے جن میں شعرونثر دونوں ہوتے تھے۔بیش تر اکابر اور قریش کے سر برآوردہ مردو عورت اور دوسرے عرب جیسے ثقفی، یثربی، ریمنی وغیرہ شعرو داب کا ذوق رکھتے تھے۔ابن اسحاق، ابن ھشام کی روایات تسلیم جاویں تو ہر خاندان قریش کی شریف عورتیں بھی شاعری کرتی تھیں۔مرد تو شعروادب کے امام تھے ہی۔ دین حنیفی سے شعروادب کی میراث مکی اسلامی دور میں بھی آئی اور اسے صحابہ کرام سے زیادہ رسول اکرم ﷺ نے پروان چڑھایا۔شعروادب کی حد تک آپ ﷺ کو ذوق سخن نہیں بخشا گیا تھا کہ شاعری منصب نبوت کے کمال و عظمت کی لائق نہ تھی جیسا کہ سورۂ یٰسن ۶۹ میں ہے: **وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ؀** شعرگوئی اور قرآن مجید کا یہی رشتہ ہے۔بہ ہر حال آپ ﷺ کو عمدہ شاعری اور عمدہ شاعر دونوں کے سننے سمجھنے اور ان کے کلام کو پرکھنے کا ذوق عطا کیا گیا تھا اور آپ ﷺ نے اسے سنا بھی تھا۔نثری ادب میں سارا سرمایہ خطبہ عرب کے فصیح وبلیغ بل کہ مقفی و مسجع خطبات تھے، جن کے بعض نمونے کتاب میں ملتے ہیں۔

قرآن مجید کی زبان اور اس کی فصاحت وبلاغت نے تمام فصاحت وبلاغت کے

۱۔ڈاکٹر محمد یاسین مظہر صدیقی۔خطبات سرگودھا، سیرت نبوی ﷺ کا عہد مکی۔مرتب: پروفیسر ڈاکٹر عبدالروف ظفر، شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف سرگودھا، ۲۰۱۶ء: ص ۱۰۴۔۱۰۵

نامور فصحائے عرب کو گونگا کر دیا اور وہ اس کے اعجاز کے قائل بھی ہو گئے۔قرآنی ادب کا کمال یہ ہے کہ وہ رواجی نثر اور فرسودہ شاعری دونوں سے ممتاز ہے اور ایک ایسا نثری ادب ہے جس کی مثال نہیں۔اسے بے مثال ہونا بھی تھا کہ وہ انسانی کلام تو ہے نہیں، الٰہی کلام ہونے کے بعث اس کے الفاظ وکلمات، اس کا رنگ و آہنگ، اس کا مزاج و اظہار اور ان سے وابستہ ان کے معانی اور ان کے معارف اسی قدر جلیل الشان و رفیع المرتبت ہیں کہ ان کی تاب لانا مشکل ہے۔مکی سورتوں میں بھی خاص کر چھوٹی چھوٹی سورتوں میں عربی ادب کا کمال وجلال اپنی معراج پر نظر آتا ہے۔وہ بڑی سورتوں میں بھی ویسا ہی ہے۔اسی وجہ سے جب قرآن مجید نے عرب علما فصاحت و بلاغت اور شعرا و خطبا کو چیلنج کیا کہ ایسا کلام لاؤ تو وہ عاجز رہ گئے۔مکی سورتوں میں ادبی خصوصیات اور کمال وجلال اس لیے بھی سمو گیا تھا کہ قریش وثقیف کے عرب باکمالوں کو بتایا جائے کہ معراج ادا اور کلام بلاغت نظام کیا ہے۔(۱)

یہ خطبات بھی تحریری صورت میں دیے گئے تھے،اور ان کا اسلوب بھی رواں اور مسلسل ہے۔

مولانا سید سلیمان حسینی ندوی

مولانا سید سلیمان حسینی ندوی ہندوستان کے معروف علما میں شامل ہیں اور اپنی خطابت کے حوالے سے شہرت رکھتے ہیں۔مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کے رشتے میں نواسے ہیں۔ان کے یہ خطبات بھی محاضرات سیرت کے سلسلے میں شمار کیے جا سکتے ہیں، یہ تین خطبے ہیں، جو الامین کالج کی جانب سے بنگلور میں ۲۸ تا ۳۰ نومبر ۱۹۹۷ء کو کالج کے ہال میں منعقد ہوئے۔روزانہ ڈھائی سے تین گھنٹے جاری رہنے والے ان کے خطبات میں سیرت طیبہ کو تاریخی تسلسل سے پیش کیا گیا۔یہ خطبات بھی زبانی تھے، جنہیں بعد میں کیسٹس سے کاغذ پر منتقل کر کے حوالوں اور توضیحات کے اضافے، نیز اسلوب کی تبدیلی کے بعد شائع کیا گیا۔یہ

۱۔خطبات سرگودھا:۲۰۸۔۲۰۹

خطبات پاکستان میں ۲۰۰۵ء میں شائع ہوئے۔(۱)

ان خطبات کا اسلوب دیکھنے کے لیے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

یہ اور ان کے علاوہ چند دیگر کارروائیاں تھیں جو جنگ خندق کے بعد عمل میں لائی گئیں، ظاہر ہے کہ یہ مجبوری کے اور ایک طرح کے اضطراری اقدامات تھے، ورنہ اصل موضوع تو تعلیم و تربیت، تزکیہ نفوس، اور اصلاح معاشرہ کا تھا، جس کے درس صبح و شام ہوتے تھے، جس کے لیے حلقے لگتے تھے، جس کی خاطر طلبہ و اساتذہ رضا کارانہ طور پر ہر وقت مشغول رہتے تھے، جس طرح بیماری کا وقتی طور پر علاج ہوتا ہے، اور اصلاً ساری توجہ جسم کی صحت، اعتدال و توازن اور اس کے لیے غذائی اور دیگر ضروریات پر مبذول رہتی ہے۔اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اصل توجہ طہارت و عبادات کے اہتمام، شب بیداری، خدمت خلق، حقوق کی ادائیگی، خوش گوار زندگی، سماجی اصلاحات، اخلاق عالیہ، کردار سازی، معاملات کی اصلاح و درستگی، عہد و پیمان کے پاس و لحاظ، ادب و تہذیب کی باتوں اور تمدنی ضروریات کی رعایتوں، پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک، یتیموں اور بیواؤں کی خبر گیری، صبر و شکر، زہد و توکل، ہم دردی و شفقت اور منافقوں اور غیر مسلموں ساتھ بھی گذارا کرنے کے لیے وسعت ظرفی اور حلم و بردباری کی تعلیم و تربیت پر مرکوز رہا کرتی تھی۔(۲)

مولانا مجاہد الاسلام قاسمی

مولانا مجاہد الاسلام قاسمی ہندوستان کے معروف اور انتہائی متحرک اور سرگرم عالم دین تھے۔ بہار اور اڑیسہ (انڈیا) کے قاضی شریعت رہے۔ قاضی صاحب ۱۹ اکتوبر ۱۹۳۶ء کو دربھنگہ انڈیا میں پیدا ہوئے، والد مولانا عبدالاحد قاسمی بھی ممتاز عالم دین تھے، ۱۹۵۵ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، ۲۰۰۲ء میں انتقال ہوا، ان کے خطبات سیرت

۱۔ مولانا سید سلیمان حسنی ندوی۔ خطبات سیرت۔ کراچی، زمزم پبلشرز ۲۰۰۵ء۔ ۴۲۱ ص

۲۔ خطبات سیرت: ص ۲۶۳

بھی توجہ طلب ہیں۔ یہ خطبات ۱۹۹۷ء میں بنگلور میں دیے گئے، جہاں یہ سلسلہ اسی سال شروع ہوا، اور بعد میں بھی کئی ایک سلسلہ ہائے خطبات سیرت کا وہاں انعقاد ہوا۔ یہ پانچ خطبات ہیں، جن کے عنوانات یہ ہیں:

سیرت نبوی کا مطالعہ کیوں

حیات نبوی ولادت تا ہجرت

حیات نبوی، شعب ابی طالب تا وفات

اسوۂ محمدی، عصرِ حاضر کے مسائل کا حل

سیرت نبوی کا پیغام امت محمدیہ کے نام

ان عنوانات سے ہی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ فاضل مقرر کا اصرار سیرتِ طیبہ سے استفادہ کرنے پر ہے، وہ محض واقعات سیرت کے بیان پر اکتفا کرنا نہیں چاہتے۔ یہی کرنے کا اصل کام ہے، ان خطبات کا اسلوب مکمل طور پر خطابتی ہے، اور زبان و بیان موثر و متاثر کن۔ خطبہ اول میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

> میرے عزیز دوستو! اس وقت بھی ایک اور قوت نظر آتی ہے جو پیچھے پیچھے کہتی جاتی ہے: یہ شخص پاگل ہے اس کی بات مت سننا۔ مجنون ہے، جادوگر ہے، اللہ کا وہ بندہ جن جن گلیوں میں جاتا ہے، پیچھے پیچھے اور کبھی آگے آگے اس زمانے کا جو طاقت ور میڈیا ہو سکتا تھا، گھوم گھوم کر ایک ہی بات کہتا پھرتا ہے: لوگو! ہوشیار رہنا یہ لڑکا پاگل ہو چکا ہے۔ یہ مجنون ہے، یہ ساحر ہے، آپس میں تفریق پیدا کر دیتا ہے۔ لاتسمعو الھذ القرآن والغوافیہ۔ اگر یہ قرآن پڑھے تو اس کو سننا مت بل کہ اس میں خوب شور و غوغا کرنا، ہنگامہ مچانا۔
>
> اے لوگو! یہ تھا ''ابولہبی میڈیا'' اور آج اسی میڈیا کی ترقی یافتہ صورت ہے جو امریکہ، انگلینڈ اور ہندوستان میں نظر آتی ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، لیکن دنیا نے دیکھا کہ ابولہب کا وہ میڈیا ناکام ہوا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لائی ہوئی سچائیوں اور حقیقتوں کے سامنے یہ میڈیا کارگر نہ ہو سکا۔ سچائی اپنا وجود رکھتی ہے۔ حقائق اپنا

وجود رکھتے ہیں۔جن کے پاس حقیقت ہوگی ان کو میڈیا سے گھبرانا نہیں چاہیے۔(۱)

واقعات سیرت بیان کرتے ہوئے بھی آپ مسلسل نتائج کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ایک مقام پر نسل انسانی کی بربادی پر مسلسل دکھ کا اظہار کرتے ہوئے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت عام کا ذکر ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

> میرے عزیز دوستو! میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مسلمان ہونے کی قید نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ انسانی نسل کی اس بربادی پر اگر آنکھ میں آنسو آسکتے ہیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آسکتے ہیں۔اس لیے کہ انہوں نے جس ہمدردی خیرخواہی اور انسانیت کی، دنیا و آخرت، فلاح و بہبودی کی بات کہی ہے وہ ساری کائناتِ انسانی کے لیے ہے۔انہوں نے کہا کہ میں نے دسترخوان بچھایا ہے، بلایا ہے سب کو۔کوئی آیا اور کوئی نہیں آیا۔نہیں آنے والوں کی فلاح کے لیے بھی ہمارے آقا پریشان ہیں۔صلی اللہ علی سیدنا محمد۔آج ہندوستان کی ہزاروں بیٹیاں تلک اور جہیز کی رسموں میں جلائی جارہی ہیں۔یہ جلائی جانے والی بیٹیاں بھی اس طرح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیاں ہیں جس طرح فاطمہ زہرا بیٹی ہیں، جس طرح آپ کے گھر کی کوئی خاتون حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غم سب کے لیے ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دکھ سب کے لیے ہے۔(۲)

زبان و بیان کے لحاظ سے یہ خطبات سادہ اور عام فہم ہیں، اور دعوتی اسلوب میں ترغیبی گفت گو کے حامل ہیں۔

یہ خطبات انڈیا میں ایفا پبلیکیشنز نئی دہلی کے زیر اہتمام پہلی بار ۱۹۹۸ء میں شائع ہوئے، جس کی دوسری اشاعت اسی ادارے سے ۲۰۱۱ء میں منظر عام پر آئی، جو ہمارے پیش

۱۔ص ۳۵

۲۔ص ۱۴۱

نظر ہے۔ یہ خطبات پاکستان میں تقاریر سیرت کے عنوان سے شائع ہو چکے ہیں۔(۱)

مولانا محمد اسجد قاسمی ندوی

مولانا محمد اسجد قاسمی ندوی جامعہ عربیہ امدادیہ مراد آباد کے شیخ الحدیث ہیں، اور متعدد کتب کے مولف، جن میں چند کتب سیرت بھی شامل ہیں، مثلاً سیرت نبویہ قرآن مجید کے آئینے میں اور اسوۂ رسول اکرم ﷺ کے روشن عناوین۔ مولانا محمد اسجد قاسمی ندوی کے خطبات سیرت کا بھی گلبرگہ، کرناٹک، انڈیا میں اہتمام ہوا، یہ چار خطبات تھے، اور بہ قول محاضر مجموعی طور پر یہ بارہ گھنٹوں پر مشتمل تھے۔ ان میں تاریخی ترتیب۔ سے سیرت طیبہ بیان کی گئی۔ یہ خطبات غالباً ۲۰۱۳ء میں کسی وقت منعقد ہوئے۔ اس لیے کہ یہ کتاب ۲۰۱۵ء میں شائع ہوئی ہے، اور اس میں ابتدائیے میں یہ لکھا گیا ہے کہ تقریباً دو سال پیش تر ان خطبات کا اہتمام ہوا۔ چوں کہ ان خطبات میں پوری سیرت طیبہ تاریخی ترتیب سے بیان کرنے کی سعی کی گئی ہے، اس لیے ان میں موضوعاتی طور پر کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسے علیحدہ سے بیان کیا جائے۔ ان خطبات کا اسلوب عوامی ہے، اور سادہ الفاظ میں بات مکمل کی گئی ہے۔ یہ خطبات بھی زبانی دیے گئے، جنہیں بعد میں کاغذ پر منتقل کر کے کتابی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ اور درمیان میں جہاں جہاں مرتبین نے مناسب سمجھا حوالوں کا اضافہ بھی کر دیا گیا ہے۔

اسلوب کی ایک مثال ملاحظہ ہو۔ فتح مکہ کے حوالے سے، اس واقعے سے سے حاصل ہونے والے سبق پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں:

> فتح مکہ کا سب سے بڑا پیغام عفو و درگذر کا پیغام ہے، تمام جانی دشمنوں کو نہ صرف یہ کہ آپ ﷺ نے معاف کر دیا، بل کہ ایک نگاہ خشمگیں بھی ان پر نہیں ڈالی، پھر ان کو مسلمان ہونے پر بھی مجبور نہیں کیا، دنیا کی تاریخ مفتوحین کے ساتھ ایسے حسن سلوک اور عفو و درگذر کی کوئی مثال پیش نہیں کر سکتی، ابو جہل کے بیٹے عکرمہ فتح مکہ کے موقع پر ڈر کے مارے یمن بھاگ گئے تھے، بیوی کی فرمائش پر

۱۔ قاسمی، مجاہد الاسلام، مولانا۔ تقاریر سیرت۔ کراچی، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، ۲۰۰۰ء۔ ۱۶۰ص

ڈرتے ڈرتے بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے تھے، آپ انتقام کیا لیتے، کھڑے ہوکر استقبال کیا اور مرحبا کہہ کر گلے سے لگایا، اور مزید کرم فرمایا کہ مسلمانوں کو بلاوجہ ابوجہل کو برا کہنے اور کوسنے سے روک دیا اور فرمایا کہ یہ مناسب نہیں کہ ایک کافر باپ کی وجہ سے اس کے مسلمان بیٹے کو ایذا پہنچائی جائے۔

اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کو دہشت گردی اور تشدد کی طرف منسوب کرنے والے معاندین اسلام اگر صرف فتح مکہ ہی کی مثال سامنے رکھیں، تو ان کی غلط فہمیاں دور ہوسکتی ہیں، رحمت عالم ﷺ نے اپنی شان رحمت سے دلوں اور دماغوں کو مسخر کرلیا تھا، اور

جو دلوں کو فتح کرلے وہی فاتح زمانہ (۱)

ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی

ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی مستند عالم دین ہیں، دیگر حضرات کے علاوہ مولانا ظفر احمد عثمانی سے تلمذ حاصل ہے، انگلینڈ سے آپ نے پی ایچ ڈی کیا۔ پہلے اسلامیہ یونیورسٹی بھاول پور میں اور پھر بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد میں کلیہ شریعہ وقانون کے رئیس الکلیہ رہے۔ شریعہ اکیڈمی کے ڈائریکٹر جنرل کے حیثیت سے بھی آپ نے فرائض انجام دیے۔ اسلامک ریسرچ سینٹر بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان نے ۱۴۳۵ھ میں دو مختلف مواقع پر آپ کے سات خطبات سیرت کا اہتمام کیا، جنہیں خطبات سیرت رسول اللہ ﷺ کے عنوان سے شائع کیا گیا۔ ان خطبات کے عنوانات ہیں۔

۱۔ حفاظت سیرت کا تکوینی پہلو

۲۔ اسوۂ حسنہ اور اصول منصوبہ بندی

۳۔ مشاورت، ایک دستوری اصول

۴۔ اسوۂ حسنہ اور اصول ترجیحات و اصول تدریج

۱۔ مولانا محمد اسجد قاسمی ندوی۔ بیانات سیرت نبویہ: ص ۱۳۱

۵۔اسوۂ حسنہ اور اصول تیسیر

۶۔اسوۂ حسنہ اور اصول احتساب

۷۔فکری ارتقا اور تعمیر شخصیت سیرت طیبہ کی روشنی میں

یہ تمام خطبات تحریری صورت میں تھے، اس لیے ان کا اسلوب خطابتی سے زیادہ تحریری ہی ہے۔ ان خطبات میں پہلا خطبہ زیادہ توجہ طلب ہے، جس کی اہمیت اعجاز سیرت کے حوالے سے بھی مسلم ہے، جس میں انہوں نے حفاظت سیرت کے تکوینی پہلو گنوائے ہیں۔ قبل از وقت پیدائش معجزات کا ظہور کے زیر عنوان کہتے ہیں:

> آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش سے قبل بعض معجزات کا ظہور بھی قدرت کی طرف تکوینی اہتمام تھا، تاکہ لوگوں کی توجہ اس بات کی طرف ہو جائے کہ کوئی اہم واقعہ پیش آنے والا ہے، جس کے لیے فطرت خصوصی اہتمام کر رہی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش کا دور بالکل قریب آ گیا اور ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بطن مادر میں ہی تھے، ابھی ولادت نہیں ہوئی تھی کہ ایسے واقعات پیش آئے جو خارق عادت تھے، مثلاً حضرت سلمان فارسی کا واقعہ، عبدالمطلب کا خواب، اصحاب فیل کا واقعہ وغیرہ، یا وہ تجربات جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین بالخصوص حضرت آمنہؓ کو دوران حمل پیش آئے، یا جو باتیں انہیں محسوس ہوتی رہیں اور جن کا تذکرہ وہ کرتی رہیں۔ اس تذکرے نے بھی لوگوں کو متنبہ کیا کہ آنے والا فرد کوئی بہت ہی غیر معمولی انسان ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جب پیدائش ہوتی ہے تو پیدائش کے موقع پر خود حضرت آمنہؓ نے ذکر کیا کہ: ''مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میرے بطن سے ایک ایسی روشنی نکلی ہے جس سے سلطنت روما کے محل بھی جگمگا اٹھے۔'' اہل کتاب اچھی طرح سمجھتے تھے کہ رسول آخر الزمان کی بعثت کا وقت قریب آ گیا ہے، وہ دعائیں کیا کرتے تھے کہ **اللھم ابعث لنا ھذا النبی یحکم بیننا وبین الناس** ''اے اللہ اس آخری رسول کو ہماری رہ نمائی کے

لیے بھیج دے جو ہمارے اور لوگوں کے مابین فیصلے فرمائے۔(۱)

اسی طرح اپنے چوتھے خطبے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی کے آغاز کے حوالے سے ترجیحات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں کے حالات کو مدنظر کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترجیحات طے کیں۔ دراصل مدینہ منورہ مکہ مکرمہ کے برعکس ایک بالکل مختلف چھوٹی چھوٹی بستیوں پر مشتمل ایک خطہ تھا۔ جہاں متفرق جنگی گروہ ایک دوسرے کے ساتھ برسر پیکار تھے، جب کہ مکہ مکرمہ ایک منظم مملکت کے طور پر متعارف تھا۔ سرزمین یثرب میں مسلمانوں کو ایک نئے تجربہ یا مشکل سے واسطہ پڑا۔ وہ مشکل یہ تھی کہ یہاں انہیں منافقین سے واسطہ پڑا، جنہوں نے شروع سے ہی خفیہ سازشیں شروع کر دی تھیں۔ ان لوگوں نے بہ ظاہر اسلام کا اظہار کیا لیکن اندرون خانہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے مسلمانوں کے دشمنوں خصوصاً قریش مکہ کے ساتھ خفیہ روابط قائم کر کے سازشوں کا جال بچھانا شروع کر دیا۔ یہ وہ سماجی مرض تھا جس سے اہل مکہ واقف نہیں تھے۔ وہاں جو دوست تھا وہ ظاہر و باطن ہر حالت میں دوست تھا، اور جو دشمن تھا وہ کھلم کھلا دشمن تھا۔ مدینہ منورہ میں اس گروہ نے ایک نئی صورت حال پیدا کر دی تھی۔ اس صورت حال سے نمٹنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ ترجیحات طے فرمائیں۔

پہلے اس بات کو ترجیح دی کہ امت مسلمہ کی وحدت اور باہمی اخوت کو ہر صورت برقرار رکھا جائے، اور کسی صورت بھی وحدت کو پامال ہونے دیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو محسوس کر لیا تھا کہ یثرب کے منافقین نے یہ سازش کرنا شروع کر دی ہے کہ انصار و مہاجرین کے درمیان کسی نہ کسی طرح تفریق پیدا

۱۔ محمد یوسف فاروقی۔ خطبات سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ ملتان، اسلامک ریسرچ سینٹر بھاؤ الدین زکریا یونیورسٹی، س ن: ص ۱۴

کردی جائے، یثرب والوں کو اچھی طرح معلوم تھا کہ انصار و مہاجرین کے درمیان ایک تہذیبی فرق رہا ہے۔ مہاجرین کا تعلق بدوی تہذیب سے تھا اور انصار کا تعلق زرعی تہذیب سے تھا۔ مدینہ منورہ میں دو مختلف تہذیبوں کا اجتماع ہوگیا تھا۔ عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے اس تہذیبی فرق کی بنیاد پر انصار و مہاجرین کے درمیان تعصّبات کو ابھار کر باہم اختلاف و تفرقہ پیدا کرنے کی کوششیں شروع کردیں۔ اس نے دعویٰ کیا کہ ہم یثرب کے قدیم باسی ہیں، اور اس دھرتی کے سپوت ہیں، لہٰذا اس سرزمین پر صرف ہمارا حق ہے۔ محمد ﷺ اور ان کے ساتھی تو یہاں بیرونی عناصر ہیں، یہاں کے معاملات میں ان کا کوئی عمل دخل نہیں ہونا چاہیے، ہم ان مہاجرین کو اپنی سرزمین سے نکال باہر کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس فتنہ سے نمٹنے کے لیے اور انصار و مہاجرین کے درمیان تہذیبی فرق کو ختم کرنے کے لیے ترجیحی بنیاد پر مواخات کا ادارہ قائم فرمایا۔ اس وقت مواخات کا بنیادی مقصد تو یہ تھا کہ زرعی تہذیبی فرق کو ختم کرنے کے لیے ایسے اقدامات کیے جائیں کہ منافقین کی یہ سازش ناکام ہو جائے۔(۱)

اختتام

یہ اختتام محاضرات اور خطبات سیرت دیکھنے، ان کے مباحث کا جائزہ لینے اور ان کے مفصل مطالعے سے چند باتیں سامنے آتی ہیں۔

۱۔ عربوں کے ہاں ابتدائے عہد میں مجالس سیرت کا جو اہتمام خصوصاً عہد صحابہ میں نظر آتا ہے، اور جو بعد میں عالم اسلام میں متروک ہوتا چلا گیا، اس کی ایک جدید علمی شکل اردو دنیائے ادب میں محاضرات اور سیرت طیبہ کے توسیعی خطبات کی صورت میں سامنے آتی ہے۔

۲۔ یہ خطبات اردو سیرت نگاری کا ایک توانا حصہ ہیں، بل کہ اس کے امتیازی پہلوؤں میں سے ایک ہیں، کہ خاص اسلوب میں درجن سے زائد کتب سیرت اردو ادب کو باثروت

۱۔ خطبات سیرت رسول ﷺ: ص ۷۰

کر چکی ہیں۔

۳۔ ان خطبات نے موضوعی اعتبار سے بھی سیرت طیبہ کو ثروت مند کیا ہے، اور اسے نئے موضوعات عطا کیے ہیں۔

۴۔ سیرت نگاری کی نئی مباحث بھی ان محاضرات اور خطبات کے ذریعے پروان چڑھی ہیں اور آگے بڑھی ہیں۔

۵۔ جدید مسائل اور مباحث حیات کو بھی سیرت طیبہ کی روشنی میں دیکھنے اور ان کا حل تلاش کرنے کا رجحان محاضرات کے ذریعے پختہ ہوا ہے۔

بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ اردو سیرت نگاری کا محاضرات ادب نہایت اہمیت اور توجہ کا حامل ہے، اور اس پر کام کی ضرورت ہے۔